

قاسمی ابو یوسفؒ

حیات اور عملی کارنامے

حسین القاسمی فی سیرۃ اہل بیت علیہم السلام

تالیف
شیخ زاہد کوثری

ترجمہ و تصدیق
مظہر الاسلام ارقوی

دارالانعماء
للطباعة والنشر والتوزيع

قاضی ابو یوسف حیات اور علمی

کارنامے

حسن التقاضی فی سیرۃ امام ابی یوسف القاضی

تالیف: شیخ علامہ المحمد ث زاہد الکوشری

ترجمہ و تحقیق: منظر الاسلام ازہری

پیشکش: طوبی ریسرچ لائبریری

toobaa-elibrary.blogspot.com

انتساب

امام ابو یوسف کے نام

©All rights reserved

Qazi Abu Yusuf: Hayat Aur Ilmi Karname

By: Shaikh Zahid Kausi
Translated by: Manzurul Islam Azhari
First edition: November 2011 in Delhi
second edition: November 2012 in Pakistan

Dar-un- Noman, Pakistan

Distributed by :Maktaba Qadria

Main University Road Old Sabzi Mandi

Karachi

Phone 0345-7760640

Email : darulnoman@gmail.com

فہرست مشمولات

7	پیش لفظ
11	مقدمہ از مؤلف
15	امام ابو یوسف کا شجرہ نسب اور تاریخ پیدائش کی تحقیق
21	امام ابو یوسف امام ابو حنیفہ کی درس گاہ میں
27	اسلامی سکول میں کوثر کی اہمیت اور امام ابو یوسف کی علمی نشوونما
35	امام ابو یوسف کا قوتِ حافظہ اور ذہانت
41	حدیث اور فقہ میں امام ابو یوسف کے مشائخ
45	امام ابو یوسف کا تعلیم و تعلم سے شغف اور طلبہ کے ساتھ شفقت
48	امام ابو یوسف کے حوالہ
55	اجتہاد کی شان اور اصول و فروع میں مہارت
62	امام ابو یوسف دارِ امام علم و دانش کی نظر میں
69	امام ابو یوسف کی تحقیقات
80	علم کلام کے بعض اختلافی مسائل میں امام ابو یوسف کی رائے
90	امام مالک سے امام ابو یوسف کی ملاقات
94	محمد بن اسحاق سے ابو یوسف کی روایت
100	کیا امام شافعی اور ابو یوسف کی ملاقات ثابت ہے؟
105	ابو یوسف کی بعض حکایتیں اور اہل حدیث سے ملاقات

Qadi Abu Yusuf (d. 182 AH) by Timi Mahmood
 Published by Dar-un-Noman, Pakistan
 November 2011 by Dar-un-Noman
 November 2011 by Dar-un-Noman

Dar-un-Noman, Pakistan
 Distributed by Al-Farooq Books
 10/11 University Road (Opposite Dar-un-Noman)
 Karachi
 Phone: 3463 7760/3463
 Email: darunoman@gmail.com

- ابو یوسف کی حکمت آمیز باتیں 111
 ابو یوسف کی حاضر جوابی اور احکام کی کچھ مثالیں 115
 ابو یوسف کی ابو حنیفہ کی مجلس علم سے غیر حاضری 120
 مذہب ثانی کی تدوین ثنی مذہب کے ساتھ کیوں؟ 124
 خلفاء کے ساتھ ابو یوسف کے بعض واقعات 131
 پیچیدہ مسائل کا حل اور فقہی تدابیر 137
 امام ابو یوسف کی وفات 145
 امام ابو حنیفہ کی ابو یوسف کو گرامتہ وصیت 156
 طبقات فقہاء سے متعلق ابن کمال پر شہاب مرجانی کا تحقیق 161
 شاہ ولی اللہ کے تسامحات 178

پیش لفظ

۲۰۰۸ء میں میرے ایک عاتبانہ کرم فرما جو عام طور پر اہل علم سے بڑی عقیدت رکھتے ہیں نے علامہ زہد کوثری حنفی کے تین رسالے ارسال کیے اور فون پر فرمائش کی کہ ان رسالوں کا ترجمہ اردو میں اس لیے ناگزیر ہے کہ برصغیر کے سلفی دوہائی عقیدہ اور ائمہ مذہب خاص طور پر امام اعظم ابو حنیفہ کی محدثانہ بصیرت اور فقہی شان کا بڑی بے باکی سے مذاق اڑا رہے ہیں۔ علامہ کوثری کے یہ رسالے میرے مطالعے میں آچکے تھے، میں نے ان کی بات سے اتفاق کیا اور کتاب ملنے کے فوراً بعد ترجمے کا کام شروع کر دیا۔ تقریباً دو مہینے کے اندر پہلے رسالے ”فقہ اہل العراق وحدیثہم“ کا ترجمہ مکمل کر لیا۔

چند ماہ بعد دوسرے رسالے ”حسن الطحاوی فی سیرۃ امام ابی یوسف القاضی“ کا ترجمہ بھی شروع کر دیا۔ کچھ ذاتی مصروفیات اور نامساعد حالات کی وجہ سے اس رسالے کی تکمیل میں تاخیر ہوئی مگر بحمدہ تعالیٰ تاخیر کے باوجود اس کا ترجمہ بھی مکمل ہو گیا۔ اب دونوں رسالے ادارہ فخر اسلامی سے شائع ہو کر آپ کے ہاتھوں میں ہیں۔

اللہ کے فضل و کرم اس کے حبیب سیدنا محمد ﷺ کے صدقہ و طفیل ”حسن الطحاوی“ بنام ”امام ابو یوسف حیات و خدمات“ کا اردو ترجمہ شہاب چہار شہزادہ بغدادی از مغرب ۱۳ شعبان المعظم ۱۴۳۰ھ مطابق ۵ مارچ ۲۰۰۹ء کو مکس نے مکمل کر لیا تھا۔ کتاب کے مباحث، مصادر و مراجع دلچسپ ہونے کے ساتھ ساتھ اس قدر جھلک تھے کہ میں نے اس کے ترجمے پر ہی اکتفا کرنا مناسب نہیں سمجھا بلکہ یہ شوق ہوا کہ جھلک مباحث کی توضیح اور مصادر و مراجع کی تخریج و تحقیق عاجیہ میں کر دی جائے تو کتاب کی افادیت دو بالا ہو جائے گی۔ اسی غرض سے ترجمے کے ساتھ

ساتھ چاہیے اور اصل مصادر کی طرف رجوع کی بہت بھی کر لی۔ مگر یہ کام دو وجہوں سے اتنا آسان نہیں تھا۔

اولاً: مصنف کا طریقہ کار عام طرزِ سوانح نگاری سے بالکل مختلف ہے، عام مؤلفین کی طرح محض نام و نسب، تاریخ پیدائش، جائے پیدائش، تاریخ وفات جیسی تفصیلات بیان کرنے پر ہی انہوں نے اکتفا نہیں کیا بلکہ تاریخ پیدائش بیان کی ہے تو مختلف اقوال میں تطبیق و تحقیق اور راجح تاریخ بیان کرنے کا حق ادا کر دیا بعد ازاں ابو یوسف پر بات کی تو تحقیق کی اعتبار کر دی، علمی مقام اور معاصرانہ احوال بیان کیے تو ایسا لگتا ہے کہ حرف آخر ہے، امام ابو یوسف کی اجتہادی شان کا ذکر کیا تو ایسے ایسے اصولی اور فروعی مباحث ذکر کیے کہ انصاف پسند قاری ان کی رائے سے متفق ہونے بنا نہیں رہ سکتا۔

ثانیاً: علامہ زہد کوثری کی تحقیق کا بڑا حصہ قلمی کتابوں اور قدیم نسخوں پر مشتمل ہے۔ قدرت نے کوثری کے اخلاذِ ذہن کے لیے وسائل فراہم کر دیے تھے۔ وہ ایک زمانے تک سزا سے چار سو سال تک عالم اسلام کی سربراہی کرنے والے ملک ترکی میں رہے جس کے قدیم کتب خانے ان کی دلچسپی کا مرکز تھے۔ قسمت کچھ دنوں کے لیے انہیں ملک شام لے گئی جہاں دمشق کی لائبریری سے عزیز ترین کوئی اور جگہ ان کے لیے نہیں تھی اور پھر بغداد پر کی شورشِ ماری نے انہیں علم و علما کی آماجگاہ قاہرہ پہنچا دی جہاں دارالکتب مصر سے اور از برہنہ جیسی قدیم لائبریریاں ان کا مرکزِ توجہ بن سکیں۔ اس لیے علامہ کوثری اپنی کتابوں میں اکثر قلمی نسخوں کا حوالہ دیتے ہیں۔ جن کتابوں کا حوالہ ان کی تحریر میں موجود ہے ان میں سے کچھ چھپ چکے ہیں، کچھ طبع نہیں ہوئے اور کچھ تکاب بھی اہل علم کی رسائی نہیں ہو سکی۔ ایسے محقق کی کتاب پر حاشیہ اور اصل مصادر کی طرف رجوع کا پورا حق اس وقت تک ادا نہیں کیا جاسکتا جب تک کہ انسان قاہرہ، ترکی اور شام کا سفر نہ کرے۔

میں نے جب ”حسن العاصمی“ کا ترجمہ مکمل کر لیا تو کچھ کچھ طبع شدہ کتابیں دستیاب تھیں ان کی روشنی میں حواشی، تخریج اور اصل مصادر کی طرف رجوع کرنا شروع کر دیا۔ پھر میرا ارادہ ہوا کہ کم از کم قاہرہ کا سفر ضرور کیا جائے تاکہ وہی سبھی کتب میری پہری ہو جائے مگر قاہرہ کی بجائے ہندوستان جانے کا ارادہ بن گیا اور ابھی بحرِ ہند کے پار بھی نہیں اترنا تھا کہ ہندوستان کے اسی سفر میں کتاب

چھاپنے کی دھن بھی سوار ہو گئی۔ اس درمیان بدایوں شریف بھی حاضری ہوئی اور کتب خانہ قادری دیکھنے کا اتفاق ہوا تو ایک بار پھر میں نے کتاب کی طباعت میں مؤخر کرنے کا ارادہ کر لیا کیونکہ کتب خانہ قادری میں کئی قدیم مصادر بالخصوص موفی بنی کی کتاب ”مناقب امام اعظم ابو حنیفہ“ مل گئی۔ میں نے یہ کتاب کچھ دنوں کے لیے عاریتاً لے لی اور کچھ دنوں ہندوستان میں رہنے کے بعد امریکہ واپس چلا آیا۔

امریکہ پہنچنے سے میرے غائبانہ کرم فرما کی طرف سے فون کی کھنٹی بجتی شروع ہو گئی۔ میں نے از سر نو حوالوں کی تحقیق کی اور جمول ”مناقب امام اعظم“ جو مصادر مل سکے اس کی روشنی میں حاشیہ کا کام مکمل کیا۔ اس لیے کتاب کی طباعت میں تاخیر ضرور تھی۔ موجودہ مصادر کی روشنی میں میں نے حواشی اور تحقیق کی متعدد دہر کوشش کی ہے۔ اگر کسی اہم مقام پر کوئی اہم حاشیہ چھوٹ گیا ہو تو یہ مصادر تک میری عدم رسائی کے سبب ہوا ہے۔ ان شاء اللہ اگلے ایڈیشن میں اس کی کوپوری کرنے کی کوشش کروں گا۔ کتاب کا ترجمہ اور اس کی تحقیق سے متعلق چند باتوں کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے:

- (۱) ترجمہ لفظی نہیں بلکہ سلیس اور با محاورہ کیا گیا ہے۔
 - (۲) سختی الامکان متن میں وارد آیات و احادیث کی تخریج و تحقیق کر دی گئی ہے۔
 - (۳) تنگ جگہ مسائل کی حاشیہ میں توضیح و تشریح بھی کی گئی ہے۔
 - (۴) بعض مقامات پر مؤلف کا حاشیہ موجود تھا، امتیاز کے لیے اشارہ کا نشان لگایا ہے اور بریکٹ میں ”مؤلف“ لکھ کر اس کی تصریح بھی کر دی ہے۔
 - (۵) علامہ کوثری نے امام ابو یوسف کے اساتذہ و مشائخ کے ناموں کا تذکرہ کیے بعد دیگرے کیا ہے، میں نے ان ناموں کی تکمیل کرنے کے بعد اصل کتاب میں اپنی طرف سے نمبر کا اضافہ کیا ہے تاکہ قارئین کو آسانی کے ساتھ امام ابو یوسف کے اساتذہ و مشائخ کی تعداد کا علم ہو سکے۔
 - (۶) امام ابو یوسف کے مؤلفات پر اصل کتاب کی تعداد کا نمبر بھی اضافہ کیا ہے۔
- اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ اس معمولی کاوش کے صدقے میں میری، میرے والدین، اور میرے اساتذہ و مشائخ کی مغفرت فرمائے۔ (آمین)

نہیں اپنے غائبانہ کرم فرما محترم امجد جاوید گلاودی (انگلینڈ) کا بے حد ممنون و مشکور ہوں جنہوں نے اپنی ذاتی کتاب بھیج کر مجھے اردو ترجمے کے لیے تیار کیا اور بار بار فون پر اس کی افادیت کا احساس دلایا یہاں تک کہ کتاب کا ترجمہ مکمل ہو گیا، مگر وہ کتاب نہیں بھیجے اور بار بار فون پر اس کی افادیت کا احساس نہیں دلاتے تو شاید کتاب کا ترجمہ ممکن نہ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ انہیں دین و دنیا کی تمام نعمتوں سے مالا مال فرمائے۔

استاذ محترم مولانا قاضی فضل احمد مصباحی کا شکریہ بھی ادا کرنا ضروری ہے کیوں کہ کتاب کے بعض جھلک اصولی مسائل کی توضیح میں ان سے نہیں نے استفادہ کیا ہے۔ مولانا محمد جلال رضا ازہری کا شکریہ بھی ضروری سمجھتا ہوں کیوں کہ عربی اشعار کی توضیح اور بعض عبارتوں کی تشریح میں ان سے نہیں نے مدد لی ہے۔

صدق محترم کرم فرما مولانا اسید الحق قادری بدایونی کا شکریہ بھی ادا کرنا اس لیے ضروری ہے کہ انہوں نے اپنی لائبریری سے ”مناقب امام اعظم ابوحنیفہ“ کا قدیم نسخہ مباحث و مصادر کی تحقیق کے لیے بلا کسی تردد کے عطا کیا جس سے کتاب کے حواشی میں بڑی مدد ملی اور اپنے صاحب خاص سے کتاب کی سہیلیں میں بھرپور تعاون کیا جس سے اشاعت کا کام آسان ہوسکا، نیز اپنی مگوں کو علمی، تدریسی اور خانقاہی مصروفیات کے باوجود جوتہ پر نظر ثانی فرما کر خلاصانہ علمی تعاون کیا۔

اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے اور دارین کی سعادتوں سے مالا مال فرمائے۔

منظر الاسلام ازہری

اسلامک اکیڈمی آف ٹائٹھ کیروہیلا (امریکہ)

۱۸ ستمبر ۲۰۱۱ء

مقدمہ از مؤلف

الحمد لله الذي اعلى منزل الفقهاء، وشرف قدرهم بتشريفاً يوازن خدماتهم للشرعية الفراء، والصلاة والسلام على سيد الانبياء، وسند الاصفياء سيدنا محمد وآله وصحبه البررة الاقبياء، والقادة النجباء، أما بعد:

اس رسالے کا نام میں نے ”حسن التقاضی فی سیرۃ الامام ابی یوسف القاضی“ رکھا ہے، میں نے اس رسالے میں ایسی چیزوں کا ذکر کیا ہے جسے امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم انصاری بھی جلیل القدر شخصیت کے احوال میں نظر انداز کیا جانا ممکن نہیں ہے، کیوں کہ مجتہدین کے درمیان امام ابو یوسف ہی ایک ایسے شخص ہیں جنہوں نے عہدِ تدوین میں فقہاء کے مسائل میں علم و عمل کو اس طور پر جمع کیا کہ جن خلفاء مہدی، ہادی اور رشید کے زمانے میں ۳۶۱ھ سے ۲۸۱ھ تک مسلسل منصب فقہاء پر فائز رہے، فقہاء کی اس طویل مدت کو وہ نہایت پاک بازی اور حسن سیرت کے ساتھ انجام دیتے رہے۔ آپ کے فقہاء کی ایک اہم خصوصیت جو کسی بھی قاضی کو میسر نہیں ہوئی ہے جی کہ آپ پوری اسلامک اسٹیٹ کے قاضی تھے۔ فقہاء کا بڑے سے بڑا مسئلہ آپ نے اپنی پختہ رائے کی روشنی میں حل کیا جو ان کی اعتدال پسندی اور میانہ روی کی بہترین مثال ہے۔ مشکل ترین مسائل کے حل کے لیے ایسے واضح اصول قائم کیے کہ پورے روئے زمین پر آپ کے بعد آنے والے قاضی بحث و تحقیق میں آپ ہی کے نقش قدم پر چلتے رہیں گے۔ اس کا مطلب نہیں کہ وہ آپ کے مقلد بن جائیں گے بلکہ آپ کے شفاف طریقہ کار سے وہ استفادہ کریں گے کیوں کہ متعدد آراء کے درمیان آپ نے بڑی باریکی سے ترجیح دی ہے۔ ادب فقہاء اور

(۱) یہ کتاب ۱۹۹۸ء میں ڈاکٹر محمد عمری تحقیق کے ساتھ مکمل ہوئی تھی مگر سے شائع ہو سکی ہے۔

اخبار فقہاء کی کتابوں میں اس کی واضح مثالیں موجود ہیں۔ یہی وجہ ہے جس نے ہمیں اس عظیم امام کی سوانح لکھنے اور ان کے کارناموں کو قلم بند کرنے پر آمادہ کیا۔

جو لوگ فقہاء کی ذمہ داری سنبھالنے کا ارادہ رکھتے ہیں ان کے لیے ضروری ہے کہ رسول پاک ﷺ کے فیصلوں کو سامنے رکھیں (اس باب میں مستقل تالیفات بھی دستیاب ہیں) یوں ہی صحابہ، تابعین اور ان کے بعد جن لوگوں نے فقہی کی حیثیت سے کام کیا ہے ان کے فیصلے بھی دیکھوں گے کہ سامنے ہونا ضروری ہیں، تاکہ نئے نئے متعدد مسائل میں ان کے فیصلوں کو مشعل راہ بنایا جاسکے۔ ان قاضیوں کے آخر فیصلے من مہرین منصور مصنف عبدالرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ اور دیگر ادیب فقہائے متعلق کتابوں میں موجود ہیں، اس موضوع کی اہمیت کے پیش نظر ہی محققین اور متاخرین اہل علم نے اس جانب خاص توجہ دی ہے اور اسلامی قاضیوں کی سیرت و سوانح مرتب کرنے میں بڑی دلچسپی سے کام بھی لیا ہے، مثلاً قاضی محمد بن خلف (متوفی: ۳۰۶ھ) جو قاضی کبج کے نام سے مشہور ہیں نے ”اخبار القضاۃ“ کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی، یہ کتاب آستانہ کی ”محرر دلاہ لائبریری“ اور بنی جامع کی لائبریری میں موجود ہے۔ کچھ لوگوں نے اس کے پہلے نسخے کو ابن کمال شہری کی طرف منسوب کیا ہے جو غلط ہے۔ مصری یونیورسٹی نے اس کی فوٹو کاپی حاصل کر لی ہے۔ کبج کی یہ کتاب مصر میں چھپ رہی ہے مگر اس میں ابھی تاخیر ہے۔ جرمن مستشرق ڈاکٹر جوزف شافیت نے چند سال قبل مجھ سے ذکر کیا تھا کہ وہ اس کی تحقیق کر رہے ہیں۔ اس کا ایک ہی نسخہ ہونے کی وجہ سے اس پر تحقیق کام کرنے والوں کی بھیج سے اطمینان نہیں ظاہر کیا جاسکتا۔ تاہم اس موضوع سے متعلق اس کتاب کی اہمیت سے بالکل انکار بھی نہیں کیا جاسکتا، کیوں کہ اس کتاب میں کسی ایک علاقے کے قاضی یا کسی ایک مسئلے کی فقہائے بحث نہیں کی گئی ہے بلکہ اس میں عام قاضیوں کے عام مسئلوں کا ذکر ہے۔

قاضیوں سے متعلق کندی کی بھی ایک کتاب مشہور ہے جسے انہوں نے خاص طور پر مصری قاضیوں سے متعلق تحریر کیا ہے اور یہ کتاب طبع ہو چکی ہے۔ مصری قاضیوں سے متعلق ابن حجر کی بھی ایک کتاب بنام ”رفع الاصر عن قضاۃ مصر“ ہے۔ (۱) اس کتاب پر انہیں کے شاگرد

(۲) یہ کتاب ۲۰۰۶ء میں ملائکہ بنی الجندی حقیق کے ساتھ دار البیادر للشرع والفقہ سے شائع ہوئی ہے۔

حافظ شاہی کا حاشیہ بھی ہے۔ مصری قاضیوں سے متعلق ابن حجر کے پوتے کی بھی ایک کتاب بنام ”الانحوم الزمرۃ فی قضاۃ مصر والقادر“ ہے۔ یہ تینوں کتابیں غیر مطبوعہ ہیں۔

قاضیوں سے متعلق ایک کتاب محمد بن حارث الحسینی کی ہے، اس کتاب کا نام ”قضاۃ قرطبہ“ ہے، یہ کتاب لماریڈ میں مکتبہ اندلسیہ کے ذریعہ انتہام شائع ہوئی ہے۔ آٹھویں صدی کے عالم ابو حسن علی بن عبداللہ البیہقی کی کتاب ”قضاۃ اندلس“ ابھی حالی ہی میں مصر سے شائع کی گئی ہے، جب کہ دسویں صدی کے عالم حافظ شمس ابن طہوان دمشقی کی کتاب ”الشجر البسام فی ذکر من ولی قضاۃ الشام“ ابھی تک غیر مطبوعہ ہے (۲)۔ میں امید کرتا ہوں کہ ان کتابوں کی طباعت میں مزید تاخیر نہ ہو اور بھی جواس موضوع پر تالیفات ہیں ان سب کو جلد از جلد منظر عام پر آجانا چاہیے کیوں کہ یہ ساری کتابیں اہم مقاصد کے لیے تالیف کی گئی ہیں۔

میں نے اس امام زمانہ، یکے کے علم و فن اور باغ نظر مجتہد کی سوانح لکھنے وقت اسلاف کی اہم اور معتد کتابوں (جو خواہ مخواہ ذاتی لائبریری میں موجود تھیں یا عام لائبریریوں میں) کی سب سے صحیح روایتوں کو خاص طور پر ذکر کیا ہے۔ ان کتابوں کی روایتوں کا طبعی تجزیہ کرنے کے بعد روایتیں اخذ کرنے میں جتنی بھی دشواری پیش آئیں سب کو دلیری کے ساتھ برداشت کیا۔ ان تمام مختار روایتوں کو خاص باب میں ذکر کیا۔ اسی طرح ان کی حیات کے تمام گوشوں کا الگ الگ باب میں ایسے طریقے پر ترتیب دیا جس سے اخلاص کے ساتھ حق و صداقت کی جستجو کرنے والوں کا دل مطمئن ہو جائے۔ اس بحث و تجسس سے تمام لوگوں کو خوش کرنا میرا مقصد نہیں ہے کیوں کہ مجھے معلوم ہے کہ یہ مقصد کبھی بھی پورا نہیں ہو سکتا۔ یوں جہلی مرکب کا کچھ لوگوں کی فکر کا اہل علم کے شایان شان نہیں۔ نیک بحث کے دوران انتہا کے طبقات بھی بیان کروں گا اور جس قبیحہ کا تعلق جس طبقے سے ہوگا اس کے تحت ہی اس کا ذکر کروں گا کیوں کہ اس سلسلے میں محققین کی کتابیں پر بغیر غور و فکر اور فہم و نظر کے بہت زیادہ اعتماد کیا گیا ہے، اگرچہ اس بحث کی وجہ سے موضوع سے تھوڑا انحراف ہو گا مگر اس کی ضرورت کی وجہ سے میں نے ایسا کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی قیاس دینے والا اور دگر ہے۔

(۳) سر اعلام النبلاء ج ۸ ص ۵۳۵، تذکرہ المجتہدین لایب حیان ج ۱ ص ۶۷۵، تذکرہ المجتہدین ج ۱ ص ۱۱۸

(۴) الاستیعاب ج ۲ ص ۵۸۴، تذکرہ المجتہدین ج ۱ ص ۶۷۵

درمیان آج بھی محسوس کی جا رہی ہے۔“

سعد کو ابن حبنہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ حبنہ بنت خوات بن جحیر کے بیٹے ہیں، جحیر جلیل القدر راوی صحابی ہیں۔ اسی طرح نسائی کے ہم نفس ابن ابی العوام اور حمادوی نے ذکر کیا۔ وہابی نے بھی اپنے اس جزم میں انہوں نے مناقب ابی یوسف کا بیان کیا ہے ایسا ہی ذکر کیا مگر اس میں طباعت کی غلطی کی وجہ سے جحیر کے بجائے بحیر ہو گیا ہے۔ ابن عبد البر اور خطیب (۵) نے ابن کلیٰ پر امتداد کے تحت حنبلیہ یعنی عوف کے مالک کی بیٹی کا بیٹا قرار دیا ہے، جب کہ ابن کلیٰ قابلِ اعتماد نہیں ہیں۔ اس روایت کی بنیاد پر یہ لازم آئے گا کہ ابو سعد بحیری اور خوات بن جحیر حلیف ہیں اور سعد کی شادی اپنی قوم کی کسی صاحبزادی سے کر دی، واللہ تعالیٰ اعلم۔

یہی ابن مبین کی روایت کے مطابق ابو یوسف کے نسب میں حنبس کا کوئی ذکر نہیں۔ واضح رہے کہ ابن مبین کو اپنے شیخ کے نسب کا دوسروں کی پرست زیادہ علم ہے۔ ابن عبد البر نے اس سلسلے میں حمادوی پر امتداد دیا ہے جب کہ ان کی روایت مرجوح ہے، کیوں کہ حنبس حبیب کے بھائی ہیں والد نہیں البتہ احنبس کا شمار آپ کے چچا کی صف میں ہو گا نہ کہ اجداد کی صف میں۔ یہ حنبس کو کوئی دوسری شخصیت ہیں جن کی طرف زمیندار ہونے کی نسبت ”چارنجیس“ (یعنی چدرہ رکھنے والے) حنبس ہی کا بول بالا ہے۔ یہی ابن مبین، یعقوب بن شبہ، قاضی دکنج اور ابو القاسم بن عوام نے جب امام ابو یوسف کا تذکرہ کیا تو نسب میں حنبس کا ذکر بالکل نہیں کیا۔ میرے نزدیک یہی سبکی رائج ہے کیوں کہ اکثر علما کی رائے یہی ہے اور آپ کے نسب سے متعلق ان حضرات کا علم بھی زیادہ ہے۔

وہابی اپنے جزم میں لکھتے ہیں:

”حبۃ خوات انصاری کی بیٹی ہے اور سعد کا نسب قبیلہ عدیلہ میں جا کر ملتا ہے۔“

میرا خیال ہے کہ آپ کے نسب سے متعلق اسی قدر تحقیق کافی ہے۔

امام ابو یوسف کی ولادت: امام ابو یوسف کی پیدائش کے بارے میں حمادوی سے مروی ہے کہ ۱۱۳ھ میں آپ پیدا ہوئے۔ اکثر علما نے اسی کو ذکر کیا ہے مگر مؤرخ غفر اللہ عنہ ابو القاسم علی بن محمد سمرانی (متوفی ۴۹۹ھ) اپنی کتاب ”روضة الفضائل“ جو قضا سے متعلق بڑی مفید کتاب ہے میں لکھتے ہیں:

”ابو یوسف کی جب وفات ہوئی تو مختلف اقوال کے پیش نظر آپ کی عمر اس وقت نواسی

سال کی تھی۔“

ابن فضل اللہ عمری نے بھی ”مسائلک الابصار“ میں یہی ذکر کیا ہے۔ تقریباً یہی نظریہ ”انصار الاول“ اور ”روضات الجنات“ کے مصنفین کا بھی لگتا ہے۔ تحقیق طور پر ان کی وفات کا سال ۱۸۲ھ ہے لہذا اس بنیاد پر آپ کی تاریخ پیدائش ۹۳ھ ٹھہرے گی۔ ان دونوں تاریخوں میں واضح فرق نظر آ رہا ہے۔ میرے خیال میں آپ کی صحیح تاریخ پیدائش ۹۳ھ ہی ہے مگر وہ ۱۱۳ھ اس وجہ سے چڑھا جانے لگا کہ بعض قدم نشوں میں یہ تاریخ عدد میں (یعنی ۹۳) لکھی ہوئی ہے، لہذا یہ گمان کیا جا سکتا ہے کہ ۹ کا رخا غبار نہ ہونے یا اس کے مٹ جانے کی وجہ سے ایک کے مشابہ ہو گیا اور ۱۳ اپنی صحیح صورت میں برقرار رہا، پڑھنے والے اسے ۱۳ پڑھنے لگے، مگر تیرہ جبری میں آپ کا پید ہوا ناظرہ قرین قیاس نہیں معلوم ہو سکتا، اس لیے لوگ اسے یہ سمجھنے لگے کہ یہ ایک سو تیرہ جبری ہے۔ ایک سو کو بلور اختصار حذف کر دیا گیا کیوں کہ ایک سو کے بعد کی تاریخ میں عدد صوف حذف کر دینے کا عام رواج تھا۔ اس طرح ان لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ امام ابو یوسف کی حقیقی تاریخ پیدائش ایک سو تیرہ ہی ہے اور مؤرخین نے بھی اسے حقیقی تاریخ پیدائش سمجھ کر نقل کرنا شروع کر دیا۔

میرے نزدیک یہ قیاس اس لیے قوی ہے کہ حافظ ابو عبد اللہ محمد بن قحطاطہ عطار متوفی ۳۳۱ھ نے اپنے مشہور جزم ”ما رواہ الکاتب عن مالک“ جو دمشق کے ظاہر یہ کتب خانے میں موجود نمبر ۹۸ کے تحت موجود ہے (اس میں بہت سے حفاظ سے سماع موجود ہے) میں ذکر کیا کہ:

ہم سے بیان کیا محمد بن ہارون نے، وہ کہتے ہیں ہم سے بیان کیا ابو موسیٰ انصاری نے، وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے قاضی ابو یوسف نے کہا کہ ”اگر لوگوں کی عمر دراز ہوئی تو وہ دہائی کے ایک نو جوان یعنی مالک کی طرف اپنے مسائل میں رجوع کریں گے۔“

امام ابو یوسف کے اس قول کی روشنی میں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ امام ابو یوسف امام مالک سے عمر میں بڑے تھے یا کم از کم ان کے معاصر ضرور تھے۔ اگر یہ تسلیم کیا جائے تو ابو یوسف کا یہ

قول درست نہیں ہوگا۔ اس قول کی صداقت کا اعجاز اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ امام ابو یوسف کا معاملہ اکثر احوال میں امام مالک کے ساتھ معاصرین جیسا تھا، اور یہ بات اس وقت درست ہوگی جب ابو یوسف امام مالک کے ہم عمر ہوں یا ان سے بڑے ہوں، اسلاف کی تاریخ پیدا نہیں ہوتی۔ بہت زیادہ اضطراب اور اختلاف پایا جاتا ہے جس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ روایات سے متعلق کتابیں کافی بعد میں مدون ہوئی ہیں۔ وادقی (متوفی ۲۰۷ھ) سے قبل ابو یوسف کے طبقے میں کوئی ایسا شخص نظر نہیں آتا جس نے تذکرہ قلم بند کرنے کی طرف توجہ کی ہو، جس کی بنیاد پر

(۱) اپنی روایت اس طرح ہے: عن معاذ بن جبل قال شهد رسول الله ﷺ املک رجل من اصحابه فقال له على الخير والافلاک والطائر المیمون والسعة فی الزوی بارک الله لکم دلقوا علی واسه فحسبى سدف فحضر به فاقبلت الاطیاق وعلیها فاکهة وسکر فشر علیہ فکف الناس اہلبہم فقال رسول الله ﷺ لکم لا تصنبوا؟ قالوا: یا رسول الله ﷺ اولم تہ عن الہیة قال: العما لہکم عن لہیة الساکو، فاما العرسات فلا۔ قال فاجادہم وجادوہ۔

الف: المعجم الکبیر الطبرانی ج ۲۳ ص ۹۷ حدیث نمبر ۱۰۱۔

ب: مجمع الزوائد للہیثمی ج ۳ ص ۵۶، باب الہیة فی العرس۔

امام بخاری نے اس حدیث کو طبرانی کے حوالے سے درج کر کے فرمایا: "اس کی سند میں حازم موطائی بنی ہاشم ہیں جنہوں نے اعجاز سے روایت کیا ہے، یہ اعجاز ابن زبیر میں بلکہ یہ ابن زبیر سے متاخر ہیں، ان کا ذکر وہ بھی نہیں فرما سکا، سند کے دوسرے روایت ہیں،" مگر روایت کو کھنڈل کے ساتھ المعجم الاوسط میں بھی ہے مگر اس کی سند میں ابن زبیر ہی ہیں جو ضاع ہیں۔

ج: مسند الشافعیین للطبرانی ج ۱ ص ۲۳۷ حدیث نمبر ۳۱۶۔

د: حلیۃ الاولیاء لابی نعیم ج ۵ ص ۳۱۶۔

ابو نعیم نے حدیث ذکر کرنے کے بعد کہا: "یہ حدیث خاندی روایات میں ہے اور فریب ہے کیوں کہ خالد قور سے روایت کرنے میں خالد بنی ہاشم ج ۶ ص ۹۶ ہامی روایت کو ذکر کرنے کے بعد کہا: "یہ حدیث ثوری روایت سے ہے اور فریب ہے، ہم نے اس کی روایت حازم بن اعجاز سے ہی واسطے سے لی ہے۔

ح: میزان الاعتدال للذہبی ج ۸ ص ۳۷۔

امام ذہبی نے حازم موطائی بنی ہاشم کے تذکرہ کے بعد حدیث کا قلم مسلک لا تنہوں نقل کر کے کہا: "حازم سے صحیح بن سلمان الفاڑانے روایت کی ہے اور یہ حدیث طبرانی کی نعم اوسط میں ہے، ابن جوزی نے موضوعات میں اس کا کلام کیا ہے کیوں کہ حازم اور لہذا بھول ہیں۔"

ز: نسان الحيوان لابن حرج ج ۳ ص ۱۱۲ تذکرہ نمبر ۱۸۹۔

حافظ ابن حجر نے بھی روایات کی ہے جیسا کہ ذہبی نے کہا مگر اس میں یہ اور اضافہ کیا ہے کہ (بقیہ حاشیہ گنگوٹری)

اس طبقے کی تاریخ وفات درج کرنے میں کم لفظی واقع ہوئی ہو، جب کہ تاریخ پیدا نہیں کیا معاملہ اس کے برخلاف ہے کیوں کہ اس زمانے میں یہ مورخین موجود ہی نہیں تھے۔

اس بحث سے متعلق میرے اوپر یہی توجہ متکشف ہوئی، قارئین کا دل جس رائے سے مطمئن ہوتا ہو اس پر اعتماد کر لیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(بقیہ کچھ صفحہ ۱۸ حاشیہ) "میری لگاؤ میں ایک دوسری بھی روایت ہے جس کی سند قزوینی فقیہ ہے، ابن مندو نے اس حدیث میں صحیحی کے حوالے سے بغیر حق حازم بن مران، ابن عبد الرحمن بن فلان یا فلان بن عبد الرحمن ابن ابی نعیم کے نقل کی ہے۔" ابن جریر کہتے ہیں کہ "روایت متعلیٰ ہے تاہم اس سے حازم کے والد کا پتہ چل گیا اس کے بارے میں غیر معروف ہیں۔" ج: الاصابہ لابن حجر ص ۱۳۴۔

الاصابہ میں اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: "ابن مندو نے اس روایت کو صحیح کے حوالے سے نقل کیا ہے، صحیح مران کے شیخ غیر معروف ہیں، آگے وہی بات ہے جو لسان المعیان میں ہے۔

ط: نسو ص ۵۸۱ لاں الحوزی ج ۲ ص ۱۷۷، باب نثار العرس۔

ابن جوزی نے اس حدیث کی تاریخ حازم بن جبل اور اس بن مالک کے حوالے سے کی ہے۔ حضرت معاذ کی حدیث کے دو طرق کا ذکر کیا ہے اور حضرت انس والی حدیث کی ایک ہی سند ذکر کر کے یہ لگایا کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ حدیث حازم کے بارے میں فرمایا: "اس کی مکمل سند میں ابن زبیر ہی ہیں، موطائی نے کہا اس حدیث میں ابن زبیر کی متابعت نہیں کی جائے گی، ابو زبیر نے کہا: "اس کی سند میں ابن زبیر ہی ہیں جن کی متابعت نہیں کی جاسکتی، ابن زبیر نے کہا میرے سوا ایک وہ ان روایت میں ہیں جو حدیث کے حوالے سے حدیثیں کو حاکم کرتے ہیں اسی وجہ سے ابن حبان نے کہا کہ وہ حدیث کے حوالے سے حدیثیں کو حاکم کرتے ہیں، دوسری سند میں حازم اور لہذا دونوں بھول ہیں۔"

ی: ابی نعیم الحلیۃ للسبوطی ج ۲ ص ۱۳۸۔

سینا: نے بھی ابن جوزی کی متابعت کی ہے۔

افسوس: میرے سوا کہ اس حدیث میں حازم اور لہذا کی جہالت کی وجہ سے ضعیف قویک ہے، کیوں کہ ابن جوزی بھی متکشف اور دھال ہے، بھی ابن زبیر اور ابی جہالت کے علاوہ اور کوئی کم نہیں لگا یا لہذا یہ حدیث ضعیف قویک کے درجے میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

امام ابو یوسف امام ابو حنیفہ کی درس گاہ میں

موتی بن حزم نے کہا:

میں خبر دی خلف بن ابوب نے، وہ کہتے ہیں میں نے ابو یوسف کو کہتے ہوئے سنا کہ میں قاضی ابوالحلی کے پاس آیا گیا کرتا تھا، وہ میری بڑی قدر بھی کیا کرتے تھے، جب انہیں کسی مسئلے میں اشکال ہوتا تو وہ ابو حنیفہ کی توجیہ دیکھا کرتے تھے، میں خود بھی ابو حنیفہ کے پاس جانا پسند کرتا تھا مگر حیا میرے آڑے آتی تھی، ایک مرتبہ میرے اور ابوالحلی کے بیچ کچھ بات ہو گئی جو انہیں ناگوار گزری، میں نے اس موقع کو غنیمت جان کر ان کے پاس جانا بند کر دیا اور ابو حنیفہ کے پاس جانے لگا۔

حافظ ابو عبد اللہ بن مندہ نے مسند حارثی ابو یوسف کے حوالے سے اس واقعے کا تذکرہ

(۸) کتاب ریج بغداد ج ۱ ص ۱۲۳، قطب نے سمری، عمر بن ابوالقائم، بکر بن احمد عبد الصمد بن عبد اللہ بن حزم حلی کے حوالے سے اس واقعے کی توثیق کی ہے۔

قاری محمد بن زبیر افشار (وفا ۱۲۶۶ھ) نے اوقات ۳۵۱ھ میں محمد بن حسن بن محمد بن زیاد موسلی اپنے زمانے کے بڑے نامور عالم، قاری اور شہر قرآن ہیں، اپنی تمام تر علمی خدمات کے باوجود روایت حدیث میں ان کا مقام بلند نہیں ہے، وہ متروک الحدیث ہیں، باوجود اوائلی نے انہیں متقبل اشعاع کہا ہے، صاحب کتاب نے اس کی توجیہ کر دی ہے۔ شفاء الصدور مطبع القرآن، موضوع فی معانی القرآن ان کی مشہور تصانیف ہیں، شفاء الصدور کے بارے میں لا کھائی نے کہا ہے کہ وہ "اشعاع" یعنی چونکہ ہلاک کرنے والی ہے، ان کے تشہیل احوال کے لیے دیکھے، اہل: تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۹۰، تذکرہ نمبر ۸۶۲، مسیر اعلام النبلاء ج ۱ ص ۵۴، تذکرہ نمبر ۳۳۸، طبقات الحفاظ للسوطی ج ۱ ص ۸۳، تذکرہ نمبر ۸۳۱، المتحدون فی اخبار قزوین للقرطبی ج ۱ ص ۲۵۳، تاریخ بعد الدلیل ج ۱ ص ۱۰۲، تذکرہ نمبر ۲۳۵، ذیل ذیل تاریخ مولد العلماء لہجۃ اللہ الکفای ج ۱ ص ۴۷۔

(۷) امام بکری نے اپنی سند سے طریق عمر بن محمد بن عبد الصمد بن عبد اللہ بن حزم حلی بن ابی یوسف اس روایت کی توثیق کی ہے، دیکھئے: اخبار ابی حنیفہ ج ۱ ص ۹۹۔

امام احمد بن حنبل کی نے اپنی کتاب میں اس واقعے کا تذکرہ اپنی سند کے ساتھ اس طرح کیا ہے:

أخبرنا الشيخ عبد الحميد بن ميكايل بن خوارزم فرأه عليه، أخبرنا الإمام أبو الفضل محمد بن عبد الله السرخسي، أخبرنا أبو علي الحسين بن علي الصغار البخاري، أخبرنا أحمد بن محمد السلفي ومحمد بن أحمد قالا أخبرنا محمد بن عمر الحنظلي، أخبرنا أبو محمد عبد الله بن محمد الحارثي، أخبرنا أحمد بن محمد الكوفي، بابا ثنا عثمان بن عبد الأعلى، حدثني محمد بن اسحق ابن أبي اسحق بن حماد بن اسحق عن علي بن حزم، عن أبي يوسف روايت کے آخر میں امام حنبل نے کہا "میں نے اس حدیث کا سامع بنا قب بکری میں ابی یوسف بن حزم بن ابی یوسف کے واسطے سے سنی کیا ہے"، دیکھئے: مناقب امام اعظم ابو حنیفہ ج ۲ ص ۲۳۱، ۲۳۲۔

مزید کہتے ہیں "نام کر دی نے اپنی کتاب میں بکری اور امام عبد اللہ بن قرازی کے حوالے سے طریق یحییٰ بن حرمین ابی یوسف اس روایت کی توثیق کی ہے، امام بکری کی سند میں نے اوپر ذکر کر دی ہے، بکری کے جس نسخے سے میں نے استفادہ کیا ہے اس میں ابی یوسف بن حزم نام کے راوی ہیں" مناقب امام اعظم ابو حنیفہ ج ۲ ص ۲۳۲۔

(۱۰) سرچشمائی

شاہنشاہ ابن ماجہ ج ۱ ص ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵

کہتے ہیں کہ ابو یوسف ابھی چھوٹے ہی تھے کہ ان کے والد کا انتقال ہو گیا، پھر اس کے بعد اپنی سند سے ان کی والدہ کے متعلق بیان کیا کہ انہوں نے ابو یوسف کو ایک دھوپ کے حوالے کر دیا، وہاں سے وہ بھاگ کر ابو حنیفہ کے پاس آ گئے، ان کی ماں نے اس کی شکایت کی، ابو حنیفہ نے ان سے کہا ”تمہارا بیٹا پستے کے تیل سے ٹالودہ کھانے کا طریقہ سیکھ رہا ہے“، ابو حنیفہ نے جیسا کہا وہی ہوا کیوں کہ ابو یوسف نے اسے رشید کے دسترخوان پر کھایا تھا۔

خطیب کی اس روایت کی کوئی حقیقت نہیں کیوں کہ اس کی سند میں ”شفاء الصدور“ (۸) کا مصنف قاری محمد بن زیاد نقاش مفرد ہے اور یہ مشہور کذاب ہے۔ جہاں تک ابو عمر دانی کے راوی مذکور کی تعریف کا سوال ہے تو ان کو اس کے احوال کا پتہ ہی نہیں تھا کیوں کہ ان کا گھر مشرقی علاقوں سے بہت دور تھا۔ اس سلسلے میں اس سے پہلی دانی ہی روایت پر اعتماد کیا جائے گا کیوں کہ اس کی سند میں کسی راوی پر کلام نہیں مگر اس روایت کے آخر کے الفاظ خطیب نے حذف کر دیے ہیں وہ الفاظ یہ ہیں:

(۱۳) الف: المستدرک علی الصحیح ج ۳ ص ۳۵۹۔ حاکم نے اس حدیث کی ترویج کے بعد کہا ”تصحیح کی شرط یہ ہے صحیح ہے مگر انہوں نے تصحیح نہیں کی۔“

پ مصحح الزوائد ج ۹ ص ۱۱۱، ۱۲۹۔ مبنی سے حدیث ذکر کرنے کے بعد کہا ”اس حدیث کو بزار کے علاوہ بطرانی نے بواسطہ میں مختصر اور کثیر میں مختلف روایت کیا ہے، بزار کی حدیث میں محمد بن حیدر راوی ہیں مگر علامہ ابن کی تصحیحات میں اختلاف ہے مگر بزار کی حدیث کی حدیث میں نے نقل کی ہے۔“

مسنند بزار ج ۵ ص ۳۵۲، ذکر کردہ نمبر ۱۹۸۶

(۱۳) الف: الاستیعاب ج ۳ ص ۹۹۲

ب: مسند الصفوة ج ۱ ص ۳۰۰

ج: طبقات الکبری ج ۲ ص ۳۳۳

د: فضائل الصحابة ج ۲ ص ۸۳۳

ح: مصحح الزوائد ج ۶ ص ۳۰۳۔ مبنی نے کہا ”بطرانی نے اس حدیث کی ترویج کی اس کے تمام رواۃ صحیح کے رواۃ ہیں تاہم بزار نے عمر اور ابن مسعود کو نہیں پایا۔“

جب میں مال دار ہو گیا تو ابو حنیفہ کی مجلس میں پابندی کے ساتھ جانے لگا، اللہ تعالیٰ نے ان کی برکت اور نیک نیتی کی وجہ سے مال و دولت کے ساتھ ساتھ علم و فضل کا بھی دروازہ کھول دیا، اللہ ان کو اس عمل کی جزائے خیر عطا فرمائے، اور ان کی مغفرت فرمائے۔

اس بارے میں کئی روایتیں ہیں جن کا مفاد یہ ہے کہ اس قصے کا مطلق امام ابو یوسف کے والد سے ہے ان کی والدہ سے نہیں۔ اس کی تائید حارثی کے یہاں موجود حسن بن ابی مالک، عبد الحمید حمانی کی ابو یوسف سے مروی روایت سے بھی ہوتی ہے، مزید تحقیق کے لیے موفی خوارزمی کی کتاب (مناقب امام اعظم ابو حنیفہ) کا مطالعہ مفید ہوگا، انہوں نے اپنی سند کے ساتھ ان روایتوں کا ذکر کیا ہے۔

امام ابو یوسف امام ابو حنیفہ کے درس میں بڑی پابندی کے ساتھ جایا کرتے تھے حتیٰ کہ محمد بن قدامة نے شجاع بن خلدة سے روایت کی کہ انہوں نے ابو یوسف کو کہتے ہوئے سنا کہ: میرے ایک بیٹے کا انتقال ہو گیا، اس کے کفن و دفن کا معاملہ میں نے اپنے پڑوسیوں اور رشتہ داروں پر چھوڑ دیا، میں اس خوف سے اس کی تدفین میں شریک نہیں ہوا کہ کہیں ابو حنیفہ کی کوئی بات سننے سے میں پیچھے نہ رہ جاؤں جس کی وجہ سے بعد میں مجھے پچھتا نا پڑے۔ (۹)

عیسا بن خزولہ نے اسحاق بن ابی اسرائیل سے روایت کی، انہوں نے حسان بن ابرہیم سے انہوں نے ابو حنیفہ کو کہتے ہوئے سنا کہ:

ابو یوسف جتنا زیادہ میرے ساتھ رہے اس قدر کوئی بھی نہ رہا، ابو داؤد دہلوی بھی اپنے ابتدائی دنوں کی طرح آخر وقت تک میرے ساتھ رہتے تو لوگ ان سے بہت زیادہ مستفید ہوتے۔ (۱۰)

(۱۵) الف: تیسرے اعلام النبلاء ج ۲ ص ۳۳۳

ب: تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳۵

ج: البدعی فی سنن الکبری ج ۱ ص ۱۲۰

(۱۶) المسند الفاضل ج ۱ ص ۵۲۰

قاضی ابویوسف ابن ابی یحییٰ اور ابوحنیفہ کا بہت زیادہ ادب و احترام کیا کرتے تھے شاید یہی وجہ تھی کہ وہ علم و فضل میں بڑے بلند مقام پر فائز ہو گئے۔

اسلامی ملکوں میں کوفہ کی اہمیت اور امام ابو یوسف کی علمی نشوونما

جب عراق فتح ہو گیا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کا خاص خیال رکھتے گئے، چنانچہ ۷۱ھ میں آپ نے کوفہ بسایا۔ متعدد قبائل کے رہنے کا انتظام کیا، بڑے بڑے صحابہ کو وہاں کوچ کرنے کا حکم دیا۔ خاص طور پر عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو ابن ام عبدسے مشہور ہیں) کو قرآن اور فقہ کی تعلیم دینے کے لیے کوفہ بھیجا اور اہل کوفہ کو یہ کہلا بھیجا کہ:

”میں نے آپ کے ہاں ابن مسعود کو بھیج کر اپنے اوپر جمیں ترجیح دی ہے۔“ (۱۱)

حضرت عمر کا یہ ارشاد بتا رہا ہے کہ ابن مسعود کو علم میں غیر معمولی اہمیت حاصل تھی حتیٰ کہ خطیبہ وقت حضرت عمرؓ بھی ان کے علم سے بے نیاز نہیں تھے۔ ابن مسعود کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”جو قرآن کو اترتا ہوا دیکھتا ہے وہ ابن ام عبد کی قرأت پڑھے۔“ (۱۲)

ایک دوسری حدیث میں ہے:

”میں نے اپنی امت کے لیے اس چیز کو پسند کیا جس کو ابن ام عبد نے پسند کیا۔“ (۱۳)

حضرت عمرؓ نے فرمایا:

”علم و فضل سے مجھ سے بھرے ہوئے برتن کا نام ابن مسعود ہے۔“ (۱۴)

غرض یہ کہ حضرت ابن مسعود کے علمی فضائل اور فتنی مہارت سے حدیث کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ ان جیسے جلیل القدر صحابی نے اہل کوفہ کی تعلیم و تربیت کی باگ ڈور حضرت عمرؓ کے

زمانے سے حضرت عثمان کے آخری عہد مبارک تک سنبھلی۔ اس مدت میں ان کی درگاہ سے نیکروں فقہاء اور فاضلین کا رخ ہوا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب کوئٹہ کو غلام و غلام سے لبریز دیکھا تو ان مسودہ سے متوجہ ہو کر فرمایا:

”آپ نے تو اس علاقے کو علم و فضل سے بھر دیا۔“

کوئٹہ میں حضرت ابن مسعود کے شاگرد اور ان کے شاگردوں کے شاگردوں کی تعداد چار ہزار تک جا پہنچی ہے اور یہ سب کے سب اپنے زمانے کے زبردست عالم سمجھے جاتے تھے۔ جب حضرت علی اور دیگر فاضل صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کوئٹہ منتقل ہو گئے تو وہاں اور بھی چار چاند لگ گئے۔ ان حضرات نے بھی کوئیوں کی فقہی تعلیم پر خاص توجہ مرکوز کی، پھر ایک ایسا وقت آیا کہ کوئٹہ میں ہر طرف محدث، باقیہ آخر اور اہل اہل سنت نظر آنے لگے۔ اس اعتبار سے اسلامی ملک کا کوئی بھی شہر اس کے ہم پلہ نہ رہا۔

صرف حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کبار اصحاب کا ذکر کیا جائے تو اس کے تذکرے کے لیے ایک دفتر کی ضرورت پڑے گی۔ محلی کی تحقیق کے مطابق صرف کوئٹہ میں آباد ہونے والے اصحاب کی تعداد پندرہ سو ہے، جب کہ عراق کے دوسرے شہروں میں آباد ہونے والے صحابہ اس کے علاوہ ہیں۔ طویل القدر تابعی حضرت سمرق بن ابراہیم کہتے ہیں:

تمام صحابہ کرام کا علم میں نے چھ لوگوں یعنی علی، عبداللہ، عمر، زید بن ثابت،

(۱۹) الف تاریخ ابن معین، روایت دور کی ۳ ص ۵۰۳، تذکرہ نمبر ۶۱ ص ۲۳

ب تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۴۲۳

(۲۰) موثق کی نے امام اعظم ابوحنیفہ کے اصحاب کا ذکر بڑے القاب و ادب کے ساتھ کیا ہے، یہ القاب ہمارے زمانے کے کن گوت اور بے نیاز خریف پہنچ گئے ہیں بلکہ ان کی صفو سے مسلم ہے، ان اساتذہ سے پہلا نام امام ابوحنیفہ کا ہے۔ اس کے بعد نوٹ کرتے ہیں کہ یہ جو اساتذہ سے ذکر کیے ہیں یہ سب اپنے زمانے کی نابالغ شخصیات ہیں، علم و فہم، بصیرت و بصارت، تقویٰ و حدیث، سیرت و فہم و نحو حساب میں یکساں روزگار ہیں، ان کے علم و ادب کا قصوری نہیں ہو سکتا۔ جس نام یا لقب کے ساتھ علم و فضل کے اس طرح شایہ ہوں ان کے اجتہاد و فتویٰ کی گہرائی کا اندازہ کیسے لگایا جاسکتا ہے، میں نے ان کے بارے میں یہ کہا ہے جو کہ قرآن و حدیث سے جری سے تھا کہ:

لو لکنا اصحابنا فحسبنا مصلیہم

اس کے بعد مصنف کی مذکورہ عبارت کا بیان کیا۔ دیکھیے: مناقب امام اعظم ابو حنیفہ ج ۲ ص ۱۳۳

ابودرداء اور ابی بن کعب میں سنا ہوا پایا، پھر میں نے دیکھا کہ ان چھ کا علم علی اور ابن مسعود میں موجود ہے۔ (۱۵)

ان جری کہتے ہیں:

ابن مسعود کے علاوہ کسی کے ایسے اصحاب نہیں جنہوں نے ان کے فتویٰ اور فقہی مذہب کو قلم بند کیا ہو، ابن مسعود حضرت عمر کے قول کے آگے اپنا مذہب چھوڑ دیتے تھے اور بہت کم ہی ان کی مخالفت کیا کرتے بلکہ اختلاف کے وقت حضرت عمر کے قول کی طرف رجوع کر لیا کرتے۔

فقہائے صحابہ میں کچھ تو ایسے بھی تھے جو ابن مسعود کی علمی برتری کی کوئی جھکے ہوئے اپنے اصحاب کو ابن مسعود کی درگاہ سے خشک ہو جانے کی تلقین کیا کرتے تھے۔ اس کی واضح مثال حضرت معاذ بن جبل ہیں جنہوں نے اپنے ساتھی عمر بن میمون اودی کو کوئٹہ میں ابن مسعود کی درگاہ میں حاضر ہوجانے کی اوصیت کی۔ رابر مزی نے انس بن سیرین سے روایت کی وہ کہتے ہیں کہ:

میں نے جب کوئٹہ آیا تو دیکھا کہ چار ہزار لوگ علم حدیث کی طلب میں مصروف ہیں، جب کہ صرف اسی سو ایسے افراد دیکھے جو فقہ حاصل کر رہے تھے (۱۶)

مسلمانوں کا کون سا ایسا ملک تھا جہاں اتنی بڑی تعداد میں اس وقت فقہاء و محدثین موجود تھے؟ کتنی سیرین کی بات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ محدثین کی بہ نسبت فقہاء کی ذمہ داری کبھی زیادہ ہے اور یہ کران کا کام محدثین سے زیادہ دشوار بھی ہے۔

عثمان سے مروی ہے کہتے ہیں کہ:

ہم نے کوئٹہ میں چار مہینے قیام کیا، اس مدت میں اگر ہم ایک لاکھ حدیث لکھنا چاہتے تو لکھ لیتے کہ ہم نے صرف پچاس ہزار حدیثیں لکھیں۔ ہم نے حدیثیں لکھنے میں اس کا خیال رکھا کہ وہی حدیثیں لکھی جائیں جنہیں متلی امت بالقول حاصل ہو چکا ہو۔ ہر مشرف شریک کی حدیث ہم نے اس

(۲۱) امام کوثری نے اس جملے کی بڑی تفصیل کے ساتھ اس مسئلے پر روشنی ڈالی ہے، جو تالیف الخطیب کی بحث کا غلام ہے۔ حریہ کا وہ ہے کے لیے تالیف الخطیب ص ۵۳۳ کا مطالعہ کیجیے، وہاں اور بھی فوائد ہیں۔

لے نہیں لکھی کہ انہوں نے ہمیں لکھنے کی اجازت نہیں دی۔ اس مدت میں ہم نے کوفہ میں کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا جو روایت حدیث کے معاملہ میں قسائل ہو۔ (۱۷)

کوفہ میں علامہ فقہیہ اور فرائی اس درجہ کثرت تھی کہ امام بخاری نے اس شریک سفر بے شمار مرتبہ کیا چنانچہ مستند و مالک کے سفر کا ذکر کیا تو فرمایا کہ ”کوفہ کا سفر میں نے بے شمار مرتبہ کیا۔“ مذکورہ باتوں سے کوئی علم حدیث، بافت، ہفتہ اور قرات میں ہر تری کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے اور یہ کہ وہ سارے علوم جماعت کی شکل میں متخل ہوتے رہے۔ کوفہ کے اسی ماحول میں ایک فقہی یعنی بھی جو چالیس جلیل القدر علماء پر مشتمل تھی، جس کے سربراہ امام ابو حنیفہ تھے، جو دلائل کی چھان چھنک کر لینے اور مسائل کی اچھی طرح تحقیق کر لینے کے بعد تدوین کا حکم فرماتے تھے۔ ابن ابی العوام فرماتے ہیں:

مجھ سے عطاوی نے بیان کیا کہ انہوں نے ابن ابی ثور کو لکھا، انہوں نے کہا کہ مجھ سے نوح ابو سفیان نے بتایا وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے مغیرہ بن عمرو نے کہا کہ ابو حنیفہ کے جن اصحاب نے ان کے کتابوں کی تدوین کی ان میں چالیس بڑے بڑے علماء تھے۔

مزید فرماتے ہیں کہ:

مجھ سے عطاوی نے بیان کیا، انہوں نے محمد بن عبد اللہ بن ابی ثور السرعینی کو لکھا، وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے سلیمان بن عمران نے بیان کیا، ان سے اسد بن فرات نے وہ کہتے ہیں کہ ”ابو حنیفہ کے جن اصحاب نے کتابوں کی تدوین کا کام انجام دیا وہ چالیس علماء تھے، ان میں دس علماء اعلیٰ صف میں رہا کرتے تھے اور ان دس میں جو پیش پیش رہا کرتے تھے ان کے اسماء یہ ہیں:

۱- ابو یوسف ۲- ذفر بن ہذیل ۳- داؤد طائی ۴- اسد بن عمر ۵- یوسف بن خالد سستی (شوافع کے ایک شیخ) ۶- یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ آپ تیس سال تک امام کے لیے لکھتے رہے۔

اسی سند مذکور کے حوالے سے اسد بن فرات کہتے ہیں کہ اسد بن عمرو نے مجھ سے کہا: لوگ ابو حنیفہ سے مسائل پوچھنے کے لیے آتے تو ان کے خلاف دھرم میں سے کوئی کچھ جواب دیتا تو کسی کچھ جواب دیتا، یہ سارے جواب ابو حنیفہ کی خدمت میں پیش کیے جاتے، پھر آپ جواب طلب کرتے تو جو لوگ سب سے قریب ہوتے ان کی طرف سے جواب آتا، کسی کسی مسئلے پر یہ لوگ تین تین دن تک بحث و مباحثہ کرتے رہتے، پھر اس دیوان میں قلم بند کیا جاتا۔

سمری نے اسحاق بن ابراہیم کے حوالے سے ذکر کیا وہ کہتے ہیں کہ: ابو حنیفہ کے اصحاب جب کسی مسئلے میں غور و فکر کرتے اور ان میں عافیہ بن یزید موجود نہ ہوتے تو کہتے ”ابھی مسئلہ کو میرے پاس نہ لاء، جب عافیہ آجائے تو ابو حنیفہ مسئلے پر بحث کے لیے کہتے اور اگر ان کی (عافیہ کی) موافقت ہوتی تو دیوان میں لکھنے کی اجازت دے دیتے ورنہ دیوان میں لکھنے سے منع کرتے۔ (۱۸)

”معرفة التاريخ والعلل“ میں یحییٰ بن معین نے فضل بن ذکین سے روایت کی، وہ کہتے ہیں کہ میں نے ذکر کیا کہتے ہوئے سنا کہ:

ہم لوگ ابو حنیفہ کے پاس آیا جایا کرتے تھے اور ہمارے ساتھ ابو یوسف اور محمد بن حسن بھی ہوتے، پھر ابو حنیفہ کے حوالے سے ہم لوگ مسائل لکھ لیا کرتے، ایک دن ابو حنیفہ نے ابو یوسف سے کہا ”اے یعقوب برا ہو تمہارا، مجھ سے سنی ہوئی تمام باتوں کو مست لکھا کرو، کیوں کہ کسی مسئلے سے متعلق میری رائے آج کچھ ہوتی ہے اور کل کچھ، پھر کل کچھ سوچتا ہوں اور دوسرے دن کچھ۔ (۱۹)

غور کرنے کا مقام ہے کہ امام ابو حنیفہ مسائل کی تدوین میں کتنے غور و فکر سے کام لیا کرتے

تھے کہ اگر کوئی ان کے اصحاب میں جلد بازی سے کسی مسئلہ کو لکھنے کی کوشش کرتا تو فوراً اسے منع کرتے۔ ان واقعات میں اگر آپ غور کریں تو موقوف کی (۲۰) نے جو کچھ کہا ہے اس کی تائید ہوتی ہے کہ:

ابو حنیفہ نے اپنے مذہب کی بنا شوئی پر رکھی ہے، زبردستی اپنی رائے کو قہوئے کی کوشش بھی نہیں کی، وہ جانتے تھے کہ دین کے معاملے میں خوب اجتہاد کر لیا جائے اور اللہ رسول و مومنین سے متعلق نصیحت میں خوب غور و فکر کر لیا جائے، یہی وجہ تھی کہ وہ ایک ایک مسئلہ کو اپنے اصحاب کے سچے پیش کرتے، ان سے اس کا جواب سنتے، اپنا جواب انہیں بتاتے، ایک ایک مہینہ یا اس سے بھی زیادہ اس مسئلے پر مذاکرہ و مباحثہ کرتے رہتے پھر جا کر کسی ایک قول پر اتفاق ہوتا اور ابو یوسف اسے اصول میں لکھ لیتے اور پھر وہی آخری اصول بن جاتا۔ مذہب ابو حنیفہ (جو متکرمذہب ہے اور مسائل میں جس کی طرف رجوع کیا جاتا ہے) سے متعلق یہی بات زیادہ بہتر، حق سے زیادہ قریب اور دلوں کے لیے اطمینان کا باعث بھی ہے۔

عام طور پر امام ابو حنیفہ کا فقہ میں طریقہ کار یہ تھا کہ جب اپنے اصحاب سے کسی مسئلہ کا ذکر کرتے تو اس میں ایک احتمال کا ذکر کرتے اور اس کو پوری قوت کے ساتھ تمام طرح کے دلائل سے مبرہن کرتے پھر اپنے اصحاب سے پوچھتے کہ آپ کے پاس اس کے خلاف کوئی دلیل موجود ہے؟ جب کسی کے پاس کوئی دلیل نہیں ہوتی اور دیکھتے کہ سب لوگ ان کی دلیل سے اتفاق کرتے ہیں تو خود اس میں نیا احتمال پیش کرتے اور پہلے احتمال کو رد کرتے یہاں تک کہ سامعین ان کی اس رائے سے متفق ہو جاتے، پھر اصحاب سے پوچھتے اس میں اگر کوئی اشکال ہو تو بتائیں، جب ان کی طرف سے کوئی جواب نہیں ملتا تو پھر خود ہی سیرا احتمال بتاتے اور اس کے دلائل کی توضیح بھی کرتے، پہلے کی طرح جب سب لوگ اس آخری رائے سے متفق ہو جاتے تو اصحاب سے اشکال

طلب کرتے، ان کی طرف سے کوئی اشکال نہیں ہوتا تو پھر نیا احتمال لاتے، اس طرح پھر خود ہی کسی ایک رائے کو دلائل کی روشنی میں راجح قرار دیتے۔ امام ابو حنیفہ کا اپنے اصحاب کو فقہ کی تعلیم دینے میں یہ امتیازی طریقہ تھا جو دیگر مذاہب میں نہیں ملتا ہے۔ انہیں نے اس طریقے کی مزید تشریح اپنی کتاب "تالیف المحیط" (۲۱) میں ۱۴۰ میں کی ہے۔

امام ابو یوسف کی نشوونما اعلیٰ علیٰ ما حل میں ہوئی جس کی فقہی سربراہی امام ابو حنیفہ جیسا ہے مثل فقہ کیا کرتا تھا، جس کا نتیجہ تھا کہ ان کا ذہن مضبوط ہو گیا، فقہی افق کشادہ ہو گیا اور علم و فضل اور کارناموں میں اپنی مثال آپ ہو گئے۔

جب کہ امام ابو یوسف کے دوسرے شیخ یعنی محمد بن ابی لیلیٰ فقہ میں ممتاز ہونے کے ساتھ ساتھ قضا میں بھی بڑی حیثیت کے مالک تھے۔ اموی اور عباسی عہد میں منصب قضا پر فائز رہے، وہ اپنی قضا میں دو اہم شخصیتوں علی بن ابی طالب اور قاضی شریح (جنہوں نے حضرت عمر کے زمانے سے لے کر قاضی بن یوسف کے زمانے تک قضا کا کام انجام دیا تھا) کی قضا سے مستفید ہوتے رہے۔ چنانچہ امام ابو یوسف نے اپنے شیخ اتان ابی لیلیٰ سے بھی احکام قضا میں خوب استفادہ کیا۔ خلاصہ یہ کہ علم کے تمام دروازے امام ابو یوسف کے لیے کھلے تھے اور تمام راہیں ان کے لیے ہموار تھیں۔

امام ابو یوسف کا قوت حافظہ اور ذہانت

ابوالفرج ابن الجوزی نے اپنے جرمسکی "تعیار الحفاظ" (جو دمشق کے ظاہر سب خانے میں موجود ہے اور اس کے ابتدائی صفحات غائب ہیں) میں امام ابو یوسف کا ذکر ان سو حفاظ علمائے امت میں کیا ہے جو محض حفظ حدیث ہی میں معروف نہیں تھے بلکہ ذہانت اور قوت حافظہ کے انتہائی درجے پر فائز تھے۔ یہ بھی لکھا ہے کہ ایک سماع سے پچاس سے ساٹھ حدیثوں تک یاد کر لیتا (یعنی سند کے ساتھ) ان کے لیے کوئی بڑی بات نہیں تھی۔

ابن عبد البر نے "الانقاء" میں ذکر کیا ہے، کہتے ہیں کہ ہم سے بیان کیا احمد بن محمد بن احمد نے، وہ کہتے ہیں ہم سے بیان کیا احمد بن فضل بن عباس نے، وہ کہتے ہیں کہ محمد بن جریر طبری نے ہم سے کہا کہ:

قاضی ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم بہت بڑے فقیہ، ذہر دست عالم اور بلند پایہ حافظ تھے، حدیث یاد کرنے کا طریقہ انہیں معلوم تھا، وہ کسی حدیث

(۲۸) بحار ابی حنیفہ و اصحابہ (ج ۱ ص ۱۰۳)

(۲۹) اس حدیث کا متن اس طرح ہے: لا حصور ولا حوازی۔ یہ حدیث ابن عباس، عبادہ ابن صامت، ابو سعید خدری اور عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے حدیث کی درج ذیل کتابوں کے علاوہ اور غائب کتابوں میں موجود ہے: مسند امام احمد بن حنبل ۳۳۶، حدیث نمبر ۲۲۸۳، حدیث نمبر ۳۳۱۱، حدیث نمبر ۳۸۶، سنن ابن ماجہ ۸۳۲، حدیث نمبر ۲۳۳۱، سنن دار قطنی ۲۲۸، حدیث نمبر ۲۲۸، حدیث نمبر ۸۵، حدیث نمبر ۸۵، حدیث نمبر ۸۸، مسند ابی یوسف ۲۲۶، حدیث نمبر ۲۲۳۔

ابن ربیع طبری کہتے ہیں: حدیث حسن، رواہ ابن ماجہ والدارقطنی وغیرہما مستند، ورواہ مالک فی الموطا مرسلا۔ ولہ طریق یقوی بعضہا بعضا (جامع العلوم والحکم ۳۰۲) جیسے حاشیہ اگلے صفحہ پر

(۲۷) تاریخ سائنس اسلام

(۲۸) بحار اعلام النبلاء ج ۸ ص ۵۳۔ امام ابی نعیم نے تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۱۵۱۴، ۱۵۱۵، ۱۵۱۶، ۱۵۱۷، ۱۵۱۸، ۱۵۱۹، ۱۵۲۰، ۱۵۲۱، ۱۵۲۲، ۱۵۲۳، ۱۵۲۴، ۱۵۲۵، ۱۵۲۶، ۱۵۲۷، ۱۵۲۸، ۱۵۲۹، ۱۵۳۰، ۱۵۳۱، ۱۵۳۲، ۱۵۳۳، ۱۵۳۴، ۱۵۳۵، ۱۵۳۶، ۱۵۳۷، ۱۵۳۸، ۱۵۳۹، ۱۵۴۰، ۱۵۴۱، ۱۵۴۲، ۱۵۴۳، ۱۵۴۴، ۱۵۴۵، ۱۵۴۶، ۱۵۴۷، ۱۵۴۸، ۱۵۴۹، ۱۵۵۰، ۱۵۵۱، ۱۵۵۲، ۱۵۵۳، ۱۵۵۴، ۱۵۵۵، ۱۵۵۶، ۱۵۵۷، ۱۵۵۸، ۱۵۵۹، ۱۵۶۰، ۱۵۶۱، ۱۵۶۲، ۱۵۶۳، ۱۵۶۴، ۱۵۶۵، ۱۵۶۶، ۱۵۶۷، ۱۵۶۸، ۱۵۶

کے پاس جاتے تو پچاس ساٹھ حدیثیں ایک مرتبہ میں یاد کر لیتے اور جب اس محدث کی درسگاہ سے نکلنے تو وہ حدیثیں لوگوں کو اپنی یادداشت سے لکھا دیتے تھے، ان کے پاس حدیث کا ذخیرہ تھا۔ (۲۲)

ٹھیک اسی واقعے کو ابن جریر نے ”ذیل الملیل“ میں بھی ذکر کیا ہے۔ مصری نے اپنی کتاب ”أخبار اہل حنیفہ و اصحابہ“ میں اپنی سند سے حسن بن زیاد کے حوالے سے ذکر کیا کہ ان کا بیان ہے:

ہم ابو یوسف کے ساتھ حج کرنے گئے راستے میں ان کی طبیعت خراب ہو گئی تو ہم لوگ بزمیون کے پاس بزمیون، سفیان ابن عیینہ کو ان کے بارے میں پتہ چلا تو وہ ان کی عیادت کے لیے آئے۔ ابو یوسف نے ہم لوگوں سے کہا کہ ابو محمد سے حدیثیں روایت کرو، اس کے ساتھ ہی ابن عیینہ نے ہم سے چالیس حدیثیں بیان کیں، جب وہ جانے لگے تو ابو یوسف نے ہم سے کہا ”ان ابن عیینہ نے جو کچھ تم سے بیان کیا مجھ سے کن لو“ پھر ہم نے دیکھا کہ سفر کی تکلف، غلالت، ضعف و ناتوانی اور کمر ہستی کے باوجود انہوں نے وہ چالیس حدیثیں اپنی یادداشت سے ہمارے سامنے بیان کر دیں۔ (۲۳)

موفق کی اپنی سند سے حسن بن ابی مالک کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ ان کا بیان ہے کہ:

ہم لوگ ابو معاویہ کے پاس فقہ سے متعلق ان حدیثوں کی روایت کے لیے

(۲۲) کچھ ملنے کا مشاہیر، یہ حدیث حسن سے، ابن ماجہ اور دارقطنی وغیرہ نے مسند اور مالک نے مسند میں مسند روایت کی ہے، یہ مختلف طرق ہونے کی بنا پر یہی ہو گئی ہے۔

اسلامی دین و ملت سے آسانیاں اور ریاست اس کی اہم خصوصیت ہے۔ جہاں بھی حقوق کی پامالی کا شہر ہوا اسلام نے بڑی تاکید سے اسے منع کر دیا اور رسول کریم ﷺ نے تکلیف کی تمام قسموں پر اپنے قول کے ذریعے پابندی لگا دی۔ یہ حدیث فقہ اسلامی کے اہم اصولوں میں سے ہے بلکہ تمام اسلامی راویوں کی ایک روایت کے مطابق فقہ کا دار و دار و دارن کا چاچا حدیثوں پر ہے، یہ حدیث ان میں سے ایک ہے غرض کہ اگر کسی نے حدیث کو ضرور یاد رکھا ”مگر کوئی کھولی اس نے فقہ کا پانچواں حصہ نہ کیا۔“

جاتے تھے جو انہوں نے حجاج بن ارطاط سے روایت کی تھیں، ابو معاویہ نے ہم سے کہا کہ کیا تمہارا درمیان قاضی ابو یوسف نہیں ہیں؟ کہتے ہیں ہم نے جواب دیا ہاں، تو وہ ہمارے درمیان موجود ہیں، ابو معاویہ نے کہا ابو یوسف کو چھوڑ کر تم کو میرے پاس حدیث لکھنے آتے ہو ہم لوگ حجاج بن ارطاط کے پاس حدیث کے لیے جاتے تھے، وہ ہمیں حدیث لکھایا کرتے جب کہ ابو یوسف انہیں حدیثوں کو یاد کر لیا کرتے تھے، جب ہم درسگاہ سے باہر آتے تو ابو یوسف کی یادداشت سے لکھا کرتے تھے۔ (۲۴)

موفق اپنی سند سے یحییٰ بن آدم کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ:

بارون رشید (جو زبردست فقیہ اور عالم دین بھی تھے) سے کسی نے کہا کہ آپ نے تو ابو یوسف کو ان کی حیثیت سے زیادہ درجہ دے دیا ہے؟ آخر آپ نے ایسا فیصلہ کیسے کیا؟ بارون رشید نے کہا: مجھ ان کے مقام و مرتبہ کا پورا علم اور تجربہ ہے اس وجہ سے میں نے ایسا کیا ہے، خدا کی قسم میں نے ان سے علم کی جس شاخ کا بھی امتحان لیا اس میں انہیں کامل پایا۔

سنوہ ہمارے ساتھ حدیث کے درس میں شرکت کے لیے جایا کرتے تھے، جو کچھ ہمارے شاگرد بیان کرتے ہم لوگ اسے لکھ لیا کرتے مگر ابو یوسف نہیں لکھتے، جب مجلس ختم ہوتی تو محدثین ان کے پاس آتے اور اپنی نقل کردہ احادیث کی تصحیح ان کی یادداشت سے کرتے۔ فقہی بصیرت میں ابو یوسف کا ان کے معاصر علماء میں کوئی بھی ہم پلہ نہیں تھا۔ عمر کے اعتبار سے چھوٹے تھے مگر بڑے بڑے علماء و فقہاء ان سے استفادے کے لیے آتے۔

درس دینے کے لیے بیٹھے تو ان کے سامنے نہ تو کتاب ہوتی اور نہ ہی کاپی، ہمارے کام کاغذ (یعنی امور فقہا) میں مصروف رہنے کے باوجود رات میں مطالعہ کرتے، پھر لوگوں سے پوچھتے ”تمہارا سوال کیا ہے؟“

لوگ مختلف نوعیت کے مسئلہ دریافت کرتے، ابو یوسف اپنی خداوندانہت کی بنیاد پر ایسا جواب دیتے کہ ان کے معاصر علماء جو اب سن کر حیران رہ جاتے۔ ان سب کے علاوہ ان کی اہم خوبی یہ بھی تھی کہ وہ دین اور مذہب میں پختہ اور راسخ العقیدہ تھے۔ اگر تم لوگوں کو اعتراض ہے تو ان کی طرح کوئی دوسرا عالم بتاؤ۔ (۲۵)

امام ابو یوسف کے یہ ایسے جامع علمی اوصاف ہیں جن کا بیان امیر المومنین خلیفہ ہارون رشید نے کیا ہے۔ داؤد بن رشید کہتے ہیں کہ:

ابو یوسف کا ابو یوسف کے علاوہ کوئی اور شاگرد بھی ہوتا تو بھی لوگوں پر فخر کرنے کے لیے ابو یوسف کافی تھے۔ میں نے تو ابو یوسف کو دیکھا کہ جب بھی وہ کسی علمی مسئلے میں بات کرتے تو ایسا لگتا کہ سندس سے موتی نکال کر نکھیر رہے ہیں مسئلہ علم حدیث کا ہوتا یا علم کلام کا، فقہ کا یا کسی اور باب کا ان سب کو نہایت آسان اور کل سلسلہ میں بیان کرتے چلے جاتے، ان کے لیے کچھ بھی دشواریاں نہیں ہوتیں۔ (۲۶)

بلال ابن رباحی بصری جو بلال الرائے سے معروف ہیں کہتے ہیں کہ ابو یوسف تکبیر، مغازی اور ایام عرب کے علاوہ جن علوم کے حافظ تھے ان میں ایک علم فقہ بھی ہے۔

یعنی علم فقہ بھی انہیں دیکر علوم کی طرح از بر تھا۔

ذہبی کی روایت کے مطابق یحییٰ بن خالد کہتے ہیں کہ:

ابو یوسف ہمارے پاس آئے تو انہوں نے اپنے فقہ سے زمین و آسمان کو بھر دیا۔

یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ:

اصحاب رائے کے علاوہ میں ابو یوسف سے زیادہ کسی کو بھی علم حدیث میں

اہمیت، احفظ اور اصح نہیں پایا۔

ٹھیک یہی روایت ابن ابی العوام نے بھی طحاوی کے حوالے سے ذکر کی ہے۔

علامہ ذہبی نے امام ابو یوسف کا تذکرہ حفاظ حدیث کے ذیل میں کیا ہے اور ایک خاص جز بھی ان کے مناقب میں تالیف کیا ہے، یہ مطبوعہ بھی ہے۔ (۲۷)

صبری طحاوی کے طریقے سے روایت کرتے ہیں کہ:

امام ابو یوسف ایک مرتبہ کوئٹہ کے قاضی حجاج بن ارقطہ کے پاس گئے تو باندی کے جینس کی قیمت کے بارے میں پوچھا، حجاج نے کہا ”اس کی قیمت اس کی ماں کی قیمت کا بیسواں حصہ ہونا چاہیے“ امام ابو یوسف نے کہا ”کیا ایسا نہیں ہے کہ آزاد عورت کا جینس جب کسی چوٹ یا مار کی وجہ سے مرد پیدا ہو تو اس کی قیمت عشر ہوتی ہے اور اگر زندہ پیدا ہو پھر مر جائے تو اس کے عوض دیت دی جاتی ہے؟“ حجاج نے کہا ”ہاں ایسا ہی ہے“ امام ابو یوسف نے کہا ”آپ نے تو معاملہ الٹ دیا“ حجاج نے کہا ”وہ کیسے؟“ ابو یوسف نے کہا ”باندی کا جینس اگر مرد پیدا ہو تو آپ کی تخریج کے مطابق اس کی قیمت زندہ پیدا ہو کر مرنے سے زیادہ ہوگی، کیوں کہ ممکن ہے کہ زندہ پیدا ہونے کی صورت میں اس کی قیمت دو درہم ہو اور اس کی ماں کی قیمت سو درہم“ حجاج نے کہا ”برخوردار اگر آپ کی بات صحیح ہے تو براے کر تم لوگوں کے سامنے بیان مت کیجیے گا۔“ (۲۸)

صبری اپنی سند سے بیان کرتے ہیں کہ:

ابو یوسف نے ایک مرتبہ رابعہ (ہی) (جرامام مالک کے شیخ تھے) سے پوچھا کہ اس مسئلے میں آپ کیا کہتے ہیں کہ ایک غلام دفعہ حضور کے درمیان مشترک ہو، ایک نے آزاد کر دیا تو کیا اس کا نفاذ ہوگا؟ رابعہ نے کہا یہ جائز نہیں کیوں کہ اس میں ضرر ہے اور حد میں آیا کہ اسلام میں کسی قسم کی کوئی تکلیف کسی کو دینا جائز نہیں (۲۹) ابو یوسف نے کہا اگر دوسرے نے

بھی آزاد کر دیا تو پھر کیا حکم ہوگا؟ ربیعہ نے کہا جائز ہو جائے گا، ابو یوسف نے کہا آپ کا قول میں نہیں اپناؤں گا کیوں کہ اگر پہلے کا آزاد کرنا جائز نہیں تو اس کلام کا اعتبار ہی نہیں ہوا، پھر حقیق کا نفاذ بھی نہیں ہوگا، جب دوسرے نے آزاد کیا تو بھی وہ غلام تھا، لہذا اب بھی آزاد نہیں ہوگا، اس نوجوب پر ربیعہ خاموش ہو گئے۔

طحاوی نے بھی اس واقعے کو (عن ابن ابی عمر ان ابن ساعد بن ابی یوسف) بیان کیا ہے، میں اسی قدر پر اکتفا کرتا ہوں کیوں کہ امام ابو یوسف کی ذہانت اور قوت حافظہ کے لیے یہی چند واقعات کافی ہیں۔

حدیث اور فقہ میں امام ابو یوسف کے مشائخ

امام ابو یوسف نے قضا کے احکام و مسائل قاضی محمد بن ابی لیلیٰ سے حاصل کیے۔ علم حدیث اور فقہ میں مہارت کے لیے امام ابو حنیفہ کی درس گاہ کا رخ کیا۔ ان دونوں ہی اماموں کی درس گاہ سے امام ابو یوسف نے فقہ اور ائمہ شریعہ میں مہارت حاصل کی۔ امام ابو یوسف اپنے ان دونوں استاد کا بہت ادب بجالایا کرتے تھے۔ ان کے علم کی نشر و اشاعت میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے۔ احمد بن عمار بن ابی مالک اپنے والد عمار کے حوالے سے امام ابو یوسف سے متعلق بیان کرتے ہیں کہ اگر ابو یوسف نہ ہوتے تو ابو حنیفہ اور ابن ابی لیلیٰ کا ذکر ہی نہ ہوتا۔ (۳۰)

ابن عمار کی یہ بات تو غلو پر مبنی ہے، اس سے خود امام ابو یوسف کو بھی اتفاق نہیں ہوگا۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر وہ دونوں امام نہ ہوتے تو ابو یوسف کی خود یہ حیثیت نہ ہوتی۔ خود امام ابو یوسف کا قول ہے جسے میری نے اپنی سند سے بیان کیا ہے کہ:

دنیا کی جن مجلسوں میں میں نہیں بیٹھتا ہوں ان میں ابو حنیفہ اور ابن ابی لیلیٰ کی مجلس سے زیادہ پسندیدہ مجلس میرے نزدیک اور کوئی نہیں، کیوں کہ ابو حنیفہ سے بڑا فقیہ نہیں کسی اور کو نہیں پاتا ہوں اور ابن ابی لیلیٰ سے اچھا قاضی میری نگاہ میں کوئی اور نہیں۔ (۳۱)

جی ہاں! ابو یوسف ان دونوں کے بڑے سعادت مند شاگرد تھے۔ ان کے علم و فضل کی ترویج و اشاعت میں گدہ رہتے تھے۔ اور ان دونوں کے لیے دعائیں کیا کرتے تھے۔ بلکہ امام ابو یوسف کی ہی ایک روایت کے مطابق ہر نماز کے بعد اپنے والدین سے پہلے امام ابو حنیفہ کی

خلیفہ بن عبدالرحمن (۲۹) داؤد بن ابی ہند (۲۷) روح بن مسافر (۲۸) سری بن اسماعیل (۲۹)
 سعید بن ابی عروبہ (۳۰) سعید بن ابی مرزبان (۳۱) سعید بن مسلم (۳۲) سعید بن یحییٰ النخعی
 (۳۳) سفیان بن عیینہ (۳۴) ابوسفیان بن عالا (۳۵) سلیمان بن جحی (۳۶) سلیمان بن مہران
 امش (۳۷) ساک بن حرب (۳۸) طلحہ بن یحییٰ (۳۹) طارق بن عبدالرحمن (۴۰) عاصم بن ابی
 نجود (۴۱) عاصم احوال (۴۲) عبداللہ بن سعید مقبری (۴۳) عبداللہ بن علی (۴۴) عبید اللہ بن عمر
 (۴۵) عبداللہ بن عمر (۴۶) عبداللہ بن محمد (۴۷) عبداللہ بن واقد (۴۸) عبداللہ بن ولید مدنی
 (۴۹) عبید اللہ بن ابی حید (۵۰) عبیدہ بن ابی راطہ (۵۱) عبدالرحمن ثابت (۵۲) عبدالرحمن بن
 ابی اللہ حسودی (۵۳) عبدالرحمن بن معمر (۵۴) عبد الملک بن عیسہ (۵۵) حذیفہ بن عبد
 اللہ (۵۶) عطا بن سائب (۵۷) عطا بن یحییٰ (۵۸) علا بن کثیر (۵۹) عمرو بن دینار (۶۰)
 عمرو بن ہشام (۶۱) عمرو بن مہاجر (۶۲) عمرو بن میمون بن مہران (۶۳) عمرو بن یحییٰ بن
 قمارہ (۶۴) عمر بن نافع (۶۵) غالب بن عبید اللہ (۶۶) غیلان بن قیس ہمدانی (۶۷) فضل بن
 مرزوق (۶۸) فطر بن خلیفہ (۶۹) قیس بن ریح (۷۰) قیس بن مسلم (۷۱) کامل بن علا (۷۲)
 کثیر بن سعد (۷۳) کلیفہ بن ابی سلیم (۷۴) مالک بن انس (۷۵) مالک بن مغفل (۷۶) مجالد
 بن یسار (۷۷) مکی بن خدیج (۷۸) مکی بن خدیج (۷۹) مکی بن خدیج (۸۰) مکی بن خدیج (۸۱) مکی بن خدیج (۸۲) مکی بن خدیج (۸۳) مکی بن خدیج (۸۴) مکی بن خدیج (۸۵) مکی بن خدیج (۸۶) مکی بن خدیج (۸۷) مکی بن خدیج (۸۸) مکی بن خدیج (۸۹) مکی بن خدیج (۹۰) مکی بن خدیج (۹۱) مکی بن خدیج (۹۲) مکی بن خدیج (۹۳) مکی بن خدیج (۹۴) مکی بن خدیج (۹۵) مکی بن خدیج (۹۶) مکی بن خدیج (۹۷) مکی بن خدیج (۹۸) مکی بن خدیج (۹۹) مکی بن خدیج (۱۰۰) مکی بن خدیج (۱۰۱) مکی بن خدیج (۱۰۲) مکی بن خدیج (۱۰۳) مکی بن خدیج (۱۰۴) مکی بن خدیج (۱۰۵) مکی بن خدیج (۱۰۶) مکی بن خدیج (۱۰۷) مکی بن خدیج (۱۰۸) مکی بن خدیج (۱۰۹) مکی بن خدیج (۱۱۰) مکی بن خدیج (۱۱۱) مکی بن خدیج (۱۱۲) مکی بن خدیج (۱۱۳) مکی بن خدیج (۱۱۴) مکی بن خدیج (۱۱۵) مکی بن خدیج (۱۱۶) مکی بن خدیج (۱۱۷) مکی بن خدیج (۱۱۸) مکی بن خدیج (۱۱۹) مکی بن خدیج (۱۲۰) مکی بن خدیج (۱۲۱) مکی بن خدیج (۱۲۲) مکی بن خدیج (۱۲۳) مکی بن خدیج (۱۲۴) مکی بن خدیج (۱۲۵) مکی بن خدیج (۱۲۶) مکی بن خدیج (۱۲۷) مکی بن خدیج (۱۲۸) مکی بن خدیج (۱۲۹) مکی بن خدیج (۱۳۰) مکی بن خدیج (۱۳۱) مکی بن خدیج (۱۳۲) مکی بن خدیج (۱۳۳) مکی بن خدیج (۱۳۴) مکی بن خدیج (۱۳۵) مکی بن خدیج (۱۳۶) مکی بن خدیج (۱۳۷) مکی بن خدیج (۱۳۸) مکی بن خدیج (۱۳۹) مکی بن خدیج (۱۴۰) مکی بن خدیج (۱۴۱) مکی بن خدیج (۱۴۲) مکی بن خدیج (۱۴۳) مکی بن خدیج (۱۴۴) مکی بن خدیج (۱۴۵) مکی بن خدیج (۱۴۶) مکی بن خدیج (۱۴۷) مکی بن خدیج (۱۴۸) مکی بن خدیج (۱۴۹) مکی بن خدیج (۱۵۰) مکی بن خدیج (۱۵۱) مکی بن خدیج (۱۵۲) مکی بن خدیج (۱۵۳) مکی بن خدیج (۱۵۴) مکی بن خدیج (۱۵۵) مکی بن خدیج (۱۵۶) مکی بن خدیج (۱۵۷) مکی بن خدیج (۱۵۸) مکی بن خدیج (۱۵۹) مکی بن خدیج (۱۶۰) مکی بن خدیج (۱۶۱) مکی بن خدیج (۱۶۲) مکی بن خدیج (۱۶۳) مکی بن خدیج (۱۶۴) مکی بن خدیج (۱۶۵) مکی بن خدیج (۱۶۶) مکی بن خدیج (۱۶۷) مکی بن خدیج (۱۶۸) مکی بن خدیج (۱۶۹) مکی بن خدیج (۱۷۰) مکی بن خدیج (۱۷۱) مکی بن خدیج (۱۷۲) مکی بن خدیج (۱۷۳) مکی بن خدیج (۱۷۴) مکی بن خدیج (۱۷۵) مکی بن خدیج (۱۷۶) مکی بن خدیج (۱۷۷) مکی بن خدیج (۱۷۸) مکی بن خدیج (۱۷۹) مکی بن خدیج (۱۸۰) مکی بن خدیج (۱۸۱) مکی بن خدیج (۱۸۲) مکی بن خدیج (۱۸۳) مکی بن خدیج (۱۸۴) مکی بن خدیج (۱۸۵) مکی بن خدیج (۱۸۶) مکی بن خدیج (۱۸۷) مکی بن خدیج (۱۸۸) مکی بن خدیج (۱۸۹) مکی بن خدیج (۱۹۰) مکی بن خدیج (۱۹۱) مکی بن خدیج (۱۹۲) مکی بن خدیج (۱۹۳) مکی بن خدیج (۱۹۴) مکی بن خدیج (۱۹۵) مکی بن خدیج (۱۹۶) مکی بن خدیج (۱۹۷) مکی بن خدیج (۱۹۸) مکی بن خدیج (۱۹۹) مکی بن خدیج (۲۰۰) مکی بن خدیج (۲۰۱) مکی بن خدیج (۲۰۲) مکی بن خدیج (۲۰۳) مکی بن خدیج (۲۰۴) مکی بن خدیج (۲۰۵) مکی بن خدیج (۲۰۶) مکی بن خدیج (۲۰۷) مکی بن خدیج (۲۰۸) مکی بن خدیج (۲۰۹) مکی بن خدیج (۲۱۰) مکی بن خدیج (۲۱۱) مکی بن خدیج (۲۱۲) مکی بن خدیج (۲۱۳) مکی بن خدیج (۲۱۴) مکی بن خدیج (۲۱۵) مکی بن خدیج (۲۱۶) مکی بن خدیج (۲۱۷) مکی بن خدیج (۲۱۸) مکی بن خدیج (۲۱۹) مکی بن خدیج (۲۲۰) مکی بن خدیج (۲۲۱) مکی بن خدیج (۲۲۲) مکی بن خدیج (۲۲۳) مکی بن خدیج (۲۲۴) مکی بن خدیج (۲۲۵) مکی بن خدیج (۲۲۶) مکی بن خدیج (۲۲۷) مکی بن خدیج (۲۲۸) مکی بن خدیج (۲۲۹) مکی بن خدیج (۲۳۰) مکی بن خدیج (۲۳۱) مکی بن خدیج (۲۳۲) مکی بن خدیج (۲۳۳) مکی بن خدیج (۲۳۴) مکی بن خدیج (۲۳۵) مکی بن خدیج (۲۳۶) مکی بن خدیج (۲۳۷) مکی بن خدیج (۲۳۸) مکی بن خدیج (۲۳۹) مکی بن خدیج (۲۴۰) مکی بن خدیج (۲۴۱) مکی بن خدیج (۲۴۲) مکی بن خدیج (۲۴۳) مکی بن خدیج (۲۴۴) مکی بن خدیج (۲۴۵) مکی بن خدیج (۲۴۶) مکی بن خدیج (۲۴۷) مکی بن خدیج (۲۴۸) مکی بن خدیج (۲۴۹) مکی بن خدیج (۲۵۰) مکی بن خدیج (۲۵۱) مکی بن خدیج (۲۵۲) مکی بن خدیج (۲۵۳) مکی بن خدیج (۲۵۴) مکی بن خدیج (۲۵۵) مکی بن خدیج (۲۵۶) مکی بن خدیج (۲۵۷) مکی بن خدیج (۲۵۸) مکی بن خدیج (۲۵۹) مکی بن خدیج (۲۶۰) مکی بن خدیج (۲۶۱) مکی بن خدیج (۲۶۲) مکی بن خدیج (۲۶۳) مکی بن خدیج (۲۶۴) مکی بن خدیج (۲۶۵) مکی بن خدیج (۲۶۶) مکی بن خدیج (۲۶۷) مکی بن خدیج (۲۶۸) مکی بن خدیج (۲۶۹) مکی بن خدیج (۲۷۰) مکی بن خدیج (۲۷۱) مکی بن خدیج (۲۷۲) مکی بن خدیج (۲۷۳) مکی بن خدیج (۲۷۴) مکی بن خدیج (۲۷۵) مکی بن خدیج (۲۷۶) مکی بن خدیج (۲۷۷) مکی بن خدیج (۲۷۸) مکی بن خدیج (۲۷۹) مکی بن خدیج (۲۸۰) مکی بن خدیج (۲۸۱) مکی بن خدیج (۲۸۲) مکی بن خدیج (۲۸۳) مکی بن خدیج (۲۸۴) مکی بن خدیج (۲۸۵) مکی بن خدیج (۲۸۶) مکی بن خدیج (۲۸۷) مکی بن خدیج (۲۸۸) مکی بن خدیج (۲۸۹) مکی بن خدیج (۲۹۰) مکی بن خدیج (۲۹۱) مکی بن خدیج (۲۹۲) مکی بن خدیج (۲۹۳) مکی بن خدیج (۲۹۴) مکی بن خدیج (۲۹۵) مکی بن خدیج (۲۹۶) مکی بن خدیج (۲۹۷) مکی بن خدیج (۲۹۸) مکی بن خدیج (۲۹۹) مکی بن خدیج (۳۰۰) مکی بن خدیج (۳۰۱) مکی بن خدیج (۳۰۲) مکی بن خدیج (۳۰۳) مکی بن خدیج (۳۰۴) مکی بن خدیج (۳۰۵) مکی بن خدیج (۳۰۶) مکی بن خدیج (۳۰۷) مکی بن خدیج (۳۰۸) مکی بن خدیج (۳۰۹) مکی بن خدیج (۳۱۰) مکی بن خدیج (۳۱۱) مکی بن خدیج (۳۱۲) مکی بن خدیج (۳۱۳) مکی بن خدیج (۳۱۴) مکی بن خدیج (۳۱۵) مکی بن خدیج (۳۱۶) مکی بن خدیج (۳۱۷) مکی بن خدیج (۳۱۸) مکی بن خدیج (۳۱۹) مکی بن خدیج (۳۲۰) مکی بن خدیج (۳۲۱) مکی بن خدیج (۳۲۲) مکی بن خدیج (۳۲۳) م

دن رات مجھے یہ اندھ بن چکا تھا کہ میں نے وہ رات کی ہے وہ کہتے ہیں کہ "قاضی ابوسف نے جس وقت بڑھری میں کھانا کھائے، بھلے سے نکل جانے کا تصور دیا، میں اس میں جو ہر وقت نہیں نے دیکھا کہ بڑے اصل قدموں سے وہاں سے باہر نکلے، بھڑکھڑانے دیکھا کہ وہ چلے میں آگئے۔ میں نے ان سے کہا کہ اب یہ کہہ دے کہ ابھی میں تمہارا پاس آگئے انہوں نے کہا کہ میرے ساتھ کل جو کہ انہوں نے کیا اس کی وجہ سے تم کے ہاتھ میں شمع کھٹکتا۔"

ابن ابی حوام نے بطریق علوی ذکر کیا کہ ایسا یوسف بظہر میں سے کیا کرتے تھے کہ اگر گرجہاوی رائے پڑی
 نہیں ہوتی تو کما کے انسان تھے۔ صبری نے کہا کہ انسان کی بہت ساری تصنیفات اور روایات ایسا یوسف کے حوالے سے
 درج ہیں۔ یہ سب عقلی اور ہر گاہ انسان تھے تاہم علم کلام سے شفق رکھنے کی وجہ سے لوگوں نے ان سے اپنا تعلق ختم کر لیا
 مفسدین تمہارے اپنا مذہب انہیں سے اخذ کیا ہے۔ ایک بار جب امام شافعی بغداد آئے تو ان سے بھی ملے تھے
 (جے۔ مٹاؤں)

مفقرت کی دعا کرتے تھے (اللہ تعالیٰ ان کے علم میں برکت عطا فرمائے)۔ ابو یوسف کی اس روایت کو اگرچہ علامہ ابن ابی مالک نے ضعیف قرار دیا ہے تاہم ذہبی اور ابن حجر نے اس کو صحیح کہا ہے۔ یوسف بن ابی سعید کہتے ہیں کہ ابو یوسف کہا کرتے تھے کہ ”ابو یوسف کے پاس میں اسی سال تک جاتا رہا ہوں، کبھی بھی میری صبح کی نماز نہیں چھوٹی“، جیسا کہ الحدیث اور النافع الکبیر میں ہے۔ صبر نے اپنی سند سے امام ابو یوسف کے حوالے سے بیان کیا کہ:

میں سترہ سال ابوحنیفہ کی صحبت میں رہا ہوں، اس اثنا میں مرض کے علاوہ کسی اور اہم میں نہیں نے ان کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ (۳۲)

فانام صبری کی اس روایت کا مطلب یہ ہے کہ سترہ سال تک ابو یوسف امام ابو حنیفہ کے ساتھ ہر وقت رہا کرتے تھے، ایک لمحے کے لیے بھی ان سے الگ نہیں ہوئے تھے اور پہلی روایت کا مطلب یہ ہے کہ انیس سال تک صرف مع امام کے پاس جاتے رہے دیگر اوقات میں دیگر حلقہٴ درس میں شامل ہوتے ہوں گے۔

اب ایک نظر امام ابو یوسف کے ساتھ اور مشائخ پر ڈالتے ہیں:

(۱) ابان بن ابی عیاش (۲) احوص بن حکیم (۳) ابواسحاق شیبانی (سلیمان) (۴) اسراہیل بن ابی اسحاق یونس (۵) اسماعیل بن ابراہیم بن مہاجر بن علی (۶) اسماعیل بن اسید (۷) اسماعیل بن ابی خالد (۸) اسماعیل بن علی (۹) اسماعیل بن مسلم (۱۰) ایوب بن حنیہ (۱۱) یحییٰ بن بشر (۱۲) ابو بکر بن عبد اللہ ہذلی (۱۳) ثابت ابو حوزہ ثمالی (آپ ترمذی کے رواۃ میں سے ہیں) (۱۴) ابن جریج عبد الملک (۱۵) ابو جباب کجی کجی (۱۶) حجاج بن ارطاة (۱۷) حریر بن عثمان (۱۸) حسن بن جی (۱۹) حسن بن دینار (۲۰) حسن بن عبد الملک بن میسرہ (۲۱) حسن بن علی بن عمارہ (۲۲) حصین بن عبد الرحمن سلمیٰ (۲۳) حصین بن عمرو بن میمون (۲۴) حظلہ بن ابی سفیان (۲۵)

ہذا (عاشق و موقوف) مسئلہ خلق قرآن میں متزلزل کے حامی تھے، ابو یوسف نے اپنے درس سے نکال دیا مگر پھر واپس آ گئے۔ ضرورتی ہے کہ خود اس مسئلے میں نہ پڑے اگرچہ ان کی مراد وہ بدولوں کے درمیان کا کام اور نہ بننے والوں کی زبان پر جاری ہونے والے الفاظ تھے۔ خویشی ان کی مہارت کے باوجود مقتدائے نئے ان کا اعتقاد قائم کیا ہے۔ چند سال پہلے جلیغ ہونے والی کتاب ”تفتیح الدرامہ“ میں ان کے مخالفین نے اپنے اعتقاد نظر کیا ہے۔ عبداللہ بیداردانی نے کتاب ”اصول الدین“ صفحہ ۳۸۸ پر لکھا ہے کہ ”مرکبی اصول کے اصحاب میں سے ہیں، جلیغ عاشق و موقوف کے ملحق

یہی وہ صبر تھا جس کی وجہ سے علم کی بے بہا دولت اور برکت سے مالا مال ہو گئے اور جس کی وجہ سے اللہ رسول اور علما کے محبوب بن گئے۔

حدیث میری یہ تحقیق امام ابو یوسف نے کسی روایت کا حوالہ دیا ہے وہ روایت اسی سند سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھوں سے منقول ہوئی ہے۔

امام ابو یوسف کے تلامذہ

ذیل میں امام ابو یوسف کے چند تلامذہ کے اساطیر کیجئے:

(۱) قاضی ابراہیم بن جراح مازنی (۲) ابراہیم بن سلمہ طاسی (۳) ابراہیم بن یوسف بن

(یہ سب کچھ سلاطین) امام ابو یوسف نے نبی اکرم ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو نبی ﷺ نے فرمایا: "انہیں خرید لو کیوں کہ وہ امام کا سنی اس کا آزاد کرنے والا ہوتا ہے" امام ابو یوسف کا بیان ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں شرکت میں کیا گیا، ہمیں نے کہا کہ لوگوں نے یہ کہہ کر ہمارے صدمہ دیا ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: ان کے لیے صدق ہے اور ہمارے لیے دہ۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۳۳)

امام سلمہ نے حضرت امام ابو یوسف کے حوالے سے ذکر کیا کہ امام ابو یوسف سید عالم رضی اللہ تعالیٰ عنہ صابر ثابت ہیں کہ ہر دے کے واقعات میں یقین مسلک ہیں (الف) ان کے مالکوں نے انہیں بیچے کا ارادہ کیا تو اس کے والد کی شہادت ملی، ہمیں نے نبی اکرم ﷺ سے اس کا ذکر کیا، نبی ﷺ نے فرمایا: اسے خرید لو اور آزاد کر دو کیوں کہ وہ اس کا حق دار اس کا آزاد کرنے والا ہوتا ہے (ب) آزاد ہونے کے بعد نبی اکرم ﷺ نے اسے اختیار دیا تو انہوں نے اپنے نفس کو اختیار کیا (ج) لوگ انہیں صدقہ دیتے تھے اور وہ ہمیں دے دیتے تھے ہمیں نے نبی اکرم ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو فرمایا وہ ان کے لیے صدقہ ہے اور آپ لوگوں کے لیے دے دے اس سے تمہارا (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۳۲)

عبد بن عمرو بن روایت میں اسلاف نے یہ ثابت کیا ہے کہ حکومت بائیں جب آزاد ہوتا ہے یقین حاصل ہے کہ وہ اپنا کلام برقرار رکھے یا نہ کرے۔ اس سے کوئی سروکار نہیں کہ اس کا شوہر اس وقت آزاد ہے یا غلام، امام مالک، امام شافعی اور جہور فقہاء کا نظریہ یہ ہے کہ جس وقت بائیں آزاد ہوئی اس وقت اس کا شوہر اس کا شوہر قائم تھا اسے اقتدار حاصل ہوگا اور اگر اس کا شوہر آزادی کے وقت آزاد تھا تو اسے حق خیر حاصل نہیں ہوگا اسلاف نے اپنے موقف پر دو گونجی امدادیت اور آچار سے لاکھ دیکھے ہیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے، فتح الباری ج ۲ ص ۴۷)

(۲۸) امام ابو یوسف سے ہمیشہ سے کوئی مسئلہ نہ چھوڑا امام ابو یوسف نے سسٹکی پوری کو بھی دامت علیہ السلام نے پوچھا اس کی دلیل کیا ہے تو امام ابو یوسف نے کہا آپ کی روایت کہ عید کے گھر اس کا بیان بھی کر دیا، اس پر انہیں نے کہا یہ حدیث میں ہے اس وقت بائیں کسی حبس کے والدین کی آپس میں ملاقات بھی ہوتی تھی۔ (اصباح)

ابن حنیفہ واصحابہ ج ۱ ص ۱۰۵

(۳۹) سیر اعلام النبلاء ج ۸ ص ۵۴۔

یسون بن علی (۳) ابو ابراہیم بن معبد (۵) احمد بن حنبل (آپ نے امام ابو یوسف سے تین دن یعنی بے شمار علم حاصل کیا) (۶) احمد بن محمد بن یحییٰ سکونی (۷) احمد بن منیع الجافظ (۸) اسحاق بن فرات کندی (۹) اسحاق بن ابی اسرائیل (۱۰) اسد بن فرات (آپ نے انھوں سے پہلے امام مالک کے مذہب کی تدوین کیا) (۱۱) اسماعیل بن حماد بن ابی حنیفہ (۱۲) اسماعیل بن فضل (۱۳) اشرف بن سعید نسیا پوری (۱۴) بشر بن موسیٰ خفاف بصری (۱۵) بشر بن غیاث ابو عبد الرحمن مریسی جلا (۱۶) بشر بن معنی (۱۷) بشر بن ولید کندی (۱۸) بشر بن یزید ابی اذہر نسیا پوری (۱۹) ابو بکر (آپ امام ابو یوسف کے بھانجے ہیں) (۲۰) توبہ بن سعد مروزی (۲۱) جعفر بن یحییٰ برکی (۲۲) حسن بن ابی العباس ابی یوسف پوری (۲۳) حسن بن زیاد ولوی (۲۴) حسن بن زیاد بن عثمان بن حماد زیاد ابی وحسان (۲۵) حسن بن حویب (۲۶) حسن بن ابی مالک (۲۷) حسن بن مسہر (۲۸) حسین بن ابراہیم بن حرب بغدادی اشکاب (۲۹) حسین بن خضص اصفہانی (۳۰) حسین بن ولید (۳۱) خضص الطرد (۳۲) حماد بن دلیل (۳۳) حیان بن بشر بن خارق (۳۴) خالد بن صلیح (۳۵) ابو خطاب (آپ امام ابو یوسف کے کاتب تھے) (۳۶) خلف بن ابی یوسف بن علی (۳۷) داؤد بن رشید خوارزمی (۳۸) ابو یزید سعید بن ربیع ہروی (۳۹) سہرورد بن حکم (۴۰) سہل بن حزام (۴۱) شجاع بن قطلد (۴۲) شعیب بن سلیمان کیسانی (۴۳) حقیق بن ابراہیم بن علی (۴۴) عباس بن ولید (۴۵) ابی عباس طوسی (۴۶) عبد اللہ بن عمر بن عاصم رضی (۴۷) عبد الرحمن بن عبد اللہ عمری (۴۸) عبد الرحمن بن مسہر (۴۹) عبد الرحمن بن مہدی (۵۰) عبدوس بن بشر مازنی (۵۱) عثمان بن بحر الجاحظ (۵۲) عثمان بن حکیم (۵۳) عزم بن فروہ (۵۴) عصام بن ابی یوسف بن علی (۵۵) منظور بن الحنفی فریضہ العشاء وان لب یغیب الشفق طار شباب اللہ بن ہارون بن ہارم اللہ بن قازانی حنفی (۵۶) ۱۳۳۳ھ۔ ۱۳۳۰ھ) کی کتاب ہے، علامہ حرانی اپنے وقت کے زبردست عالم دین اور محقق تھے، ان کے علم سے قازان اور بلخ میں مشاہد کی نماز کے وقت کا مسئلہ امام ابراہیم قرآن کی وجہ سے چھوڑ کر کھڑے دامن میں نہیں ہوتا تھا کہ طویل فتر ہو جائی تھی۔ حنفی کے مؤلف نے اپنی اس کتاب میں اس مسئلے پر یہ حاکم مشکوٰۃ ہے، اور یہ مسئلہ علامہ ابن عابدین نے بھی اپنے حاشیہ المدخل میں مسئلہ فی لغاد وقت العشاء کا حل لکھ کر کثرت ذکر کیا ہے، علامہ ابن نجیم مصری کا بھی ایک رسالہ دفع العشاء عن وقت العصر والعشاء مفہوم ہے، اس کا بھی ایک نسخہ ملازہ ہر کی لائبریری میں موجود ہے، اس مسئلے کے علاوہ کتاب میں فضیلت فقہائے احناف پر بھی مختصراً بحث موجود ہے، علامہ کوثری نے کتاب سے بھی کچھ سے استفادہ کیا ہے کتاب فی کتاب تری سے چھپ چکی ہے۔

(۵۵) حافظ علی بن جعد جوہری (جعدیات آپ کی مشہور تالیف ہے) (۵۶) علی بن حجر مزی
(۵۷) علی بن حرملہ کو فی (۵۸) علی بن خشرم (۵۹) علی بن صالح جرجانی (۶۰) علی بن صفی (۶۱)
علی بن محمد قرطبی (۶۲) علی بن مدنی (۶۳) علی بن مسلم طوسی (۶۴) عمار بن عبد الملک ابو

(۴) ان کمال کا پرچار مفسر الدین احمد بن سلیمان بن کمال پیشاپیش (۸۶۳ھ - ۹۰۹ھ) ہے، شہرت ان کمال پیشاپیش کمال پیشاپیش اور داور داور بن کمال سے ہے، اپنے زمانے کے درست عالم اور محقق تھے، سلطنت عثمانیہ میں قضا اور درس دیتے تھے، انہیں ہند کے پڑ پڑ ہے، دوسرا کمال علی بن محمد طبری کا ہے، جو محقق کا ہے، موجود ہیں، ایک رسالہ طریقات الفقہاء ہے، علامہ شافعی نے اپنے رسالے عقود و رسم السننی (جور اصل سن) کے اپنے ہی مضمون رسالے کی شرح ہے) میں ان کمال کے رسالے پر احادیث کا کیا ہے، اس کے اقتباسات سے استفادہ کیا اور دلائل کے طور پر ذکر بھی کیا ہے۔ سنن عابدین کا یہ رسالہ موجود مسائل کے ضمن میں راجح کی افہامی اور جہی میں موجود ہے۔

میں نے جو شائستگی، تواضع اور اخلاقیات کی باتیں سنی ہیں، ان کی آواز اور ان کے تمام اصحاب پر۔
یاد رکھو کہ فقہاء کے ساتھ درجہ بات چیں۔

اول: مجتہد فی البشر کا طبقہ ہے، جن میں اکثر اربعہ سر فہرست ہیں اور انکی دوسرے ہیں دوسرے علماء بھی ہیں جنہوں اصولی قواعد کو اپنا اور انکی قواعد کی روشنی میں اول اربعہ اور بعضی قرآن، سنت، اہل علم اور قیاس سے فرقی احکام کا استنباط کیا، انہوں نے فتویٰ کی اصول اور نہی کی فروع میں کسی کی تقلید کی۔

دوم: مجتہدی ائمہ ہب۔ اس میں ابو جعفر اور ابو یوسف کے دو امام اصحاب ہیں۔ ہوں نے مذکورہ اوائل کی روشنی میں قواعد کے مطابق احکام کے استخراج پر قدرت کا مظاہرہ کیا جو ان کے استاد ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے متعین کیا تھا، انہوں نے اگرچہ بعض فرضی احکام میں حالات کی مگر اصولی قواعد میں انہیں کے مقلد رہے، ان بنیادی دواہستہ مذہب کے کاغذین کے استاد بھی نظر آتے ہیں، جیسے شافعی دنیوہ و جواہر ابو یوسف کے احکام میں خلاف تھے اور ان کے اصول کی تفسیر میں کرتے تھے۔

[illegible]

چند اہم اصحاب کو جمع کیا۔ اس کی مثال راز داروں کے اصحاب ہیں۔ یہ لوگ اندھیرے میں اصلاح کاروں کی جھلکوں کو
ماخذ پر مبنی نگاہ دیکھتے ہیں جبکہ جملہ مسائل کی تفصیل، بہیم اور ہمیشہ مسائل جو صاحب مذہب یا ان کے کسی بھتیجہ صاحب
سے منقول ہے کے طور پر قدرت رکھتے ہیں۔ کیوں کہ اصول پر وسیع نظر ہونے کے ساتھ ساتھ فروغی مسائل کے امثال و
الفاظ کی روشنی میں قیاس کی صلاحیت کے بھی مالک ہوتے ہیں۔ چاہے میں بعض مقام پر جو یہ الفاظ "ایسا ہی کو جمع کر رہی ہوں
ایسا ہی کو جمع راز داروں میں ہے۔" آتے ہیں وہ ایسا ہی قبول ہے۔ (بقیہ ملاحظہ کیجئے)

یحییٰ بن مردوزی (۶۵) محمد بن حماد (۶۶) عمرو بن ابی عمرو حرانی (۶۷) عمرو بن محمد ناقد (۶۸) عمرو
 بن ولید الاحصاف (۶۹) فرات بن نصر ہروی (۷۰) فرج بن عبد اللہ مولیٰ ابیوسف (۷۱) فضل
 بن حاتم (۷۲) فضل بن غام (۷۳) فضیل بن عیاض (۷۴) قاسم بن حکم مرئی (۷۵) قتیبہ
 بن اسد (۷۶) محمد بن ابراہیم بن ابی سیکند (۷۷) محمد بن بکر بن خالد القصر ابو جعفر (آپ امام ابو
 یوسف کے کاتب ہیں) (۷۸) محمد بن حسن شیبانی (۷۹) محمد بن خالد حنفی رازی (۸۰) محمد بن
 ابی رجا رفسانی (۸۱) محمد بن ساعدی (۸۲) محمد بن صباح (۸۳) محمد بن عمرو بن سری المصری
 (۸۴) محمد بن خالد (۸۵) معقل بن منصور رازی (۸۶) حبیہ ابو عمرو مردوزی (۸۷) موسیٰ بن
 سلیمان جوزجانی (۸۸) ابو موسیٰ انصاری (۸۹) ابن ابی نعیمہ (۹۰) نصر بن عبد انکریم غلی
 و کعب بن جراح (۹۲) بشام بن عبد الملک ابو ولید طلسی (۹۳) بشام بن عبد اللہ رازی (علمائے
 انیس ابو یوسف سے روایت فقہ میں ضعیف قرار دیا ہے) (۹۴) بشام بن معدان (امام ابو
 یوسف کے کاتب تھے) (۹۵) ہلال بن یحییٰ رافعی ہصری (آپ ہلال الراے سے مشہور ہیں،
 احکام الوقف آپ ہی کی تالیف ہے) (۹۶) ڈشم بن حابہ (۹۷) ڈشم بن موسیٰ (۹۸) یحییٰ بن
 آدم (۹۹) یحییٰ بن عبد الصمد (۱۰۰) یحییٰ بن یحییٰ بن معین (۱۰۱) یحییٰ بن یحییٰ نساپوری (۱۰۲) یوسف
 تاضی صاحبزادہ امام ابو یوسف، جنہوں نے اپنے والد سے ”کتاب الاثار“ روایت کی۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سارے ایسے علما ہیں جن کو امام ابو یوسف نے شرف کمند حاصل (یعنی پہلے سے کامیاب) بہتم تسلط ملا، اسباب ترجیح کی بعانت، اس کی مثال ابو سین قندوزی اور صاحب جام وغیرہ ہیں۔ ایسے علما کی روایت کو دوسری روایت پر ترجیح اور فوقیت دینے کی مطابقت کے ناکہ ہوتے ہیں، اس کے لئے ”دو“ ”اولیٰ“ ہے، روایت زیادہ صحیح ہے، یہ روایت زیادہ صحیح ہے، یہ قیاس کے زیادہ موافق ہے اور یہ لوگوں کے زیادہ مناسب ہے“۔ قصہ الفاظ کا استعمال کرتے ہیں۔

ششم۔ یہ مقلد علمائے لکھی جماعت ہے جو اقرائی تو کئی ضعیف، مختار مذہب، مختار روایت، روایات ہندو کے اور پان فرقی کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اس کی مثال دائرہ زمین میں سطح زمین کے مولفین مثلاً صاحب کتب، صاحب مختار، صاحب دقا ہے اور صاحب مجمع ہیں۔ یہ علمائے کتاب میں مرد و اولاد اور ضعیف روایت اور تفسیر درج نہیں کرتے ہیں۔

ہفتم۔ یہ وہ جماعت ہے جو مرد و تمام صلاحیتوں سے عاری اور مسائل میں غرضی اور ذکر کلی ہو، جو کچھ بھی سامنے آتا ہے معاملہ لیل کی طرح آنکھ کر کے چلے جاتے ہیں۔ ان کے لیے بڑی چابی ہے اور جو ان کی اتباع کرے ان کے لیے دہریہ بن جاتی ہے۔ اول آفرخندہ و شاہ کے لیے۔ یہاں ان کی کمال دیکھ کر مارکھانہ "طلعات انفسا" فقہ ہندو ہے۔ (مکالم)

ہے، ان میں کچھ ایسے ہیں جو امام ابوحنیفہؒ کے درس میں امام ابو یوسفؒ کے ساتھی تھے، کچھ ایسے ہیں جو امام ابو یوسفؒ کی درسگاہ میں امام احمدؒ کے شریک رہے اور پھر امام احمدؒ سے بھی اخذ علم کیا۔ امام ذہبیؒ کے مطابق بہت سارے فقہاء امام ابو یوسفؒ کی درسگاہ کے قریب یا قریب ہی تھے، بڑے بڑے عظیم

(۳۲) زید بن عمروؒ میں تائیدیں کی ایک جماعت کو علم و فہم میں بڑی قدر کی نگاہ دے دیکھا گیا ہے، ابو زید کے مطابق ان کی تعداد سات ہے اور ان کے اصحاب ہیں: (۱) سعید بن مسیب (۲) مروان بن زہر (۳) قاسم بن محمد (۴) خاضع بن زید (۵) یحییٰ بن یزید (۶) سلیمان بن یزید (۷) عبد اللہ بن عبد اللہ بن شہین بن مسعود (سیر اعلام النبلاء ج ۴ ص ۴۱) کسی نے ان سب ناموں کو آسانی سے یاد رکھنے کے لیے شعری قالب میں اس طرح اذیاد کیا ہے:

إذا قيل من في العلم سبعة باهر
ووليتهم ليست عن العلم خارجة
فقل هم عبيد الله، عمرو، قاسم
وسير سليمان، خاضع

(اعلام النبلاء عن رب العلمين ص ۱۹)

(ترجمہ: اگر کوئی آپ سے سات بزرگ فضیلت کے بارے میں پوچھے تو کہہ دیجئے: عبيد الله، عمرو، قاسم، سير سليمان اور خاضع ہیں)

سیر اعلام النبلاء (ج ۴ ص ۴۱) میں ہی ابو زید کے حوالے سے ہے کہ فقہاء نے دین چار ہیں (۱) سعید (۲) مروان (۳) خاضع (۴) عبد الملک بن مروان

سیر اعلام النبلاء (ج ۴ ص ۴۱) پر مبنی اقطان کے حوالے سے ذکر ہے کہ فقہاء نے دین چار فقہاء ہیں، پھر انہوں نے بطور مثال آبان بن عثمان اور سعید بن مسیب کا ذکر کیا۔ اسی کتاب میں ایک مقام پر (ج ۴ ص ۵۸) انہوں نے قاسم کا ذکر بھی کیا ہے۔ علامہ سبکی نے مبنی اقطان کے ہی حوالے سے ان سب ناموں کی توجی اس طرح کی (۱) سعید بن مسیب (۲) ابو یوسف بن عبد الرحمن (۳) قاسم (۴) سالم (۵) مروان بن زہر (۶) سلیمان بن یزید (۷) عبيد الله بن عبد الله بن شہین (۸) خاضع بن زید (۹) آبان بن عثمان (۱۰) خاضع بن زید بن ثابت۔

(تہذیب الکمال ج ۴ ص ۱۷)

تہذیب الکمال میں مذکور ہے فقہاء کا ذکر کیا گیا ہے اور ساتوں شخصیت کے بارے میں کیا کہ اس میں جن اقوال ہیں، اوّل ابو یوسف بن عبد الرحمن بن عوف، دوم سالم بن عبد الله بن عمر بن خطاب، سوم ابو یحییٰ بن عبد الرحمن بن عمارت بن یحییٰ (تہذیب الاسماء ج ۱ ص ۴)

مذکورہ سات اور ان میں بھی ربیعہ اراے کا نام اگرچہ نہیں ہے تاہم دینہ بن زہر کی ایک ذی علم شخصیت اور مشہور فقہاء میں ان کا شمار ضرور ہوتا ہے۔ وہ نام ماہر کے طور پر بھی ہیں، تہذیب کے تاریخ بغداد (ج ۸ ص ۴۲۱) ان بزرگ نے تہذیب التہذیب (ج ۳ ص ۲۲۳) میں جنان نے منشاہیر علماء الامصار (ج ۸ ص ۸۱) اور زہری نے سیر اعلام النبلاء (ج ۹ ص ۱۶۵) میں نام لیا اور مدنی مفتی کا طریقہ کے طور پر ذکر کیا ہے۔ مصنف رحمہ اللہ کی نگاہ سے فقہاء کوئی ایسا بھی نکتہ نہ تھا جو ان سب میں نہ ہوگا اور ان سب میں ایک ایسا ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

القدر ائمہ نے بھی ان سے روایت کی ہے، جیسا کہ آپ کو معلوم ہوگا کہ امام شافعیؒ نے اپنی کتاب "الام" اور "مسند" میں ان کی روایت کو محمد بن حسن کے واسطے سے نقل کیا ہے۔ حدیث "تفحی" ولا" اس کی ایک واضح مثال ہے (۳۳) ابن حبیہ، ابن حجر اور سحاوی کے مطابق امام شافعیؒ ابو یوسفؒ کے معاصر تھے مگر خلافت نہیں ہوئی۔ جہاں تک "مسند ابی حنیفہ" میں امام شافعیؒ کی بعض روایتیں بلا واسطہ امام ابو یوسفؒ سے ہیں تو اس میں سبقت قلم کا دخل ہے، جو اصل میں "عن یوسف" یعنی "ابن" کے بغیر ہے اور یہ یوسف بن خالدؒ کی ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

بزرگ فاضل اکابر کے بارے میں اس مضمون کے بارہو درجہ فاضل ذکر کے بارے میں دائرہ ظاہری نے جرات بھی ہے وہ بھی انصاف سے ہیجے ہے (مؤلف)

اجتہادی شان اور اصول و فروع میں مہارت

انتخاب کوشش سے دلائل کی روشنی میں احکام فرعیہ کے استنباط کا نام اجتہاد ہے۔ مجتہد مطلق کی شرط یہ ہے کہ اسے کتاب اللہ کے لغوی اور شرعی معنی پر فراوی اور ترکیبی دونوں اعتبار سے کامل دسترس ہو۔ یوں ہی علم حدیث کا پورا علم، سند اور متن پر گہری نظر، مورد اجماع کا علم اور شرعی قیاس کے اسباب کی معرفت وغیرہ مجتہد مطلق کی شرطوں میں سے ہے۔ اس کی تفصیل اصول کی کتابوں میں مذکور ہے۔

امام ابو یوسف کو فہ میں امام ابو حنیفہ کی سربراہی میں چلنے والی فقہی کونسل کے اہم رکن تھے، مسائل کی تحقیق و تدقیق، دلائل کی تجویز اور جوابات کی تدوین کے لیے امام ابو حنیفہ کے ساتھ کام کرنے والی ٹیم میں بھی اسی سال تک ابو یوسف نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا یہاں تک کہ امام کی وفات ہو گئی۔ اس اثنا میں ابو حنیفہ کی مکمل مصاحبت تو نہیں کی، کبھی آتے اور جاتے بھی رہتے تاہم سترہ سال کی مکمل مصاحبت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ ابو یوسف جیسا ذہین، حیرت انگیز قوت حافظہ کا مالک، علم، فن، کاشانق، جب اس طرح کی علمی مجلس میں پابندی کے ساتھ شریک ہوتا رہا ہو تو خیال کیا جاسکتا ہے کہ اس نے کتنا کچھ حاصل کیا ہوگا۔ یقیناً بہت کچھ حاصل کیا ہوگا۔ اجتہاد کا اعلیٰ ترین مقام حاصل کرنے میں بھی اس نے کوئی کمی نہیں چھوڑی ہوگی بلکہ اجتہاد مطلق کا درجہ بھی حاصل کر لیا ہوگا اگرچہ بطور امتحان و نظر اپنے استاذ کے مذہب ہی سے اپنے آپ کو منسوب رکھا۔

دوسری طرف امام ابو حنیفہ نے خود یہ کہا کہ ابو یوسف اپنے طبقے میں روئے زمین پر سب سے بڑے عالم ہیں۔ اس بات کا ذکر طحاوی نے اسد بن فرات کے حوالے سے اور خطیب نے اپنی تاریخ

میں کیا ہے۔ حافظ بقیع الامام علی بن جعفر نے ”جعلیات“ میں ذکر کیا ہے کہ انہوں نے ابو یوسف کی طرح کوئی اور عالم نہیں دیکھا۔ اس پر امام بخاری کے شاگرد ابن ابی عمران نے یہ تعلق لگائی کہ:

ثوری، حسن بن صالح، مالک، ابن ابی ذئب، لیث بن سعد، شعبہ بن قاج جیسی بلند مقام علمی شخصیات کو علی بن جعفر نے دیکھا تھا۔ (۳۵)

جیسا کہ ہمیری نے ان کے حوالے سے ذکر کیا ہے، اس سے ابو یوسف کی علمی برتری کا بخوبی پتہ چلتا ہے۔ امام علی کا یہ قول بھی ابو یوسف کے فضل کو ثابت کرتا ہے کہ ”آپ لوگ غلیب ہیں اور ہم لوگ دوا پیچھے والے“ (۳۶)۔ امام علی نے یہ بات اس وقت بھی کہی جب انہیں کی روایت کردہ حدیث ”بربرہ“ (۳۷) سے استنباط کر کے امام ابو یوسف نے ایک مسئلے کا جواب بتایا تھا۔ امام علی کی یہ بات بھی ابو یوسف کے قوت استنباط کو ثابت کرتی ہے کہ ”میں نے آپ کے والدین کے آپس میں ملنے سے پہلے اس حدیث کو روایت کیا تھا اور اب اس کی تاویل کا علم ہوا۔“ (۳۸)

علی بن محمد بن جعفر الشافعی نے تو یہاں تک کہا کہ:

ابو یوسف اپنے زمانہ کے سب سے بڑے فقیہ ہیں، ان کے زمانے میں کوئی بھی ان پر سبقت حاصل نہیں کر سکا۔

یہی ابن خالد نے کہا:

جب ابو یوسف ہمارے پاس آئے تھے تو سب سے کم جس علم میں انہیں درک تھا وہ علم فقہ تھا مگر دیکھتے ہی دیکھتے انہوں نے اپنے فقہ سے آسمان و زمین کو سیراب کر دیا۔ (۳۹)

حافظ عبد اللہ بن داؤد رحمہ اللہ نے کہا جیسا کہ ابن ابی عوام نے اپنی سند سے تخریج کی کہ:

”امام ابو یوسف کی فقہ پرانی وسیع فہم تھی کہ اس کا استعمال جس طرح چاہتے کرتے۔“۔

زفر بن ہذیل جیسی ذہین و فطن اور حاضر دماغ شخصیت سے ابو یوسف کا منظرہ ہوا تو امام ابو یوسف نے ابو یوسف کی برتری کی گواہی دی۔ ابو یوسف کی قوت حافظہ و ضرب البش ہے، آثار پران کی گہری نگاہ اور اس سے استدلال پر سب کا اللہ بھی ہے، ایسی ذی شعور، بالغ نظر شخصیت کے اجتہاد و مطلق کے درجے پر غور کرنے میں کس کو شبہ ہو سکتا ہے۔

مجتہدین کی درجہ بندی بڑی مشہور چیز ہے۔ پہلا درجہ مجتہد مطلق کا ہے جس کا استنباط کسی اور کی

طرف نہیں کیا جاتا، دوسرا درجہ مجتہد مطلق جو کسی اور مجتہد کی طرف منسوب ہو۔ تیسرا درجہ مجتہد متعین کا ہے، جو کسی مذہب کا دیکھ کر دوسرا اپنے امام کے اصول کی روشنی میں مسائل میں اجتہاد کرتا ہو۔ جیسا کہ ابن جریر نے ”شن الغرارہ“ میں ذکر کیا ہے اور عبدالحی کنعونی نے ”الذائع الکبیر“ میں ان سے نقل کیا اور اسی طریقے پر امام ابن عبد الرحیم (شاہ ولی اللہ دہلوی) نے ”الانصاف فی مسائل الخلاف“ میں بیان کیا ہے، یہ اور بات ہے کہ بحث و تحقیق کا پورا حق انہوں نے ادا نہیں کیا تاہم ان کی بات صواب اور درستگی سے اس سے زیادہ قریب ہے جو وزیر ابن کمال نے فقہ کی درجہ بندی اور فقہاء کی تقسیم سے متعلق کہا ہے۔ ابن کمال مذکورہ دونوں چیزوں یعنی طبقات کی ترتیب اور فقہاء کی تقسیم میں

(۳۳) حدیث محمد بن حنفیہ: حدیث جبرائیل بن زبیری نے اپنی سند سے اس طرح نقل کی ہے: ابو یوسف القاضی یعقوب بن اسیر احمد حدثنا اسحاق بن عروہ عن ابیہ عن عبد اللہ بن جعفر انی الزبیر بن العوام فقال انی اشہدت کذا وکذا وان علیا یرید ان یاتی امیر المؤمنین عثمان یعنی فیصلہ ان یحجر علی فہ فقال الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان شریکک فی البیع وان علی عثمان فذکر ذلک لہ، فقال عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیف اسحجر علی وعلی فی بیع شریکک فہ الزبیر (سنن بیہقی الذکری ج ۱ ص ۱۱)

(ترجمہ) شام بن عروہ اپنے والد عروہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ عبد اللہ بن جعفر بن بن عوام کے پاس آئے اور کہا میں نے فلان فلاں سامان خریدے اور علی کا خیال ہے کہ امیر المؤمنین عثمان ان سے روایت کریں کہ وہ مجھ پر پابندی عائد کرتے ہیں وزیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا میں تو اس کا شک نہیں تھا مگر اب میں ہوں وہ خود عثمان کے پاس آئے اور سامان ہمارا کہہ بنا یا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا میں اس شخص کی اطلاع دے دوں گا کہ وہ پابندی کا حکم دے دیں (ہوں)

امام بیہقی نے اس سے پہلے ایک اور روایت شام بن عروہ کے حوالے سے نقل کی ہے اس کے رواۃ میں ابو یوسف کا نام نہیں ہے، اس روایت میں سنی کی روایت زیادہ واضح ہے، لگتے ہیں:

عبد اللہ بن جعفر نے کہا کہ ہم میں چار آدمی تھے کہ ابن کمال نے علی اور عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے چاہا کہ ان کی اس اطلاع کو روک دیں، ابن جعفر کی طاقت وزیر بن عوام سے ملتی، انہوں نے کہا کہ میں نے جتنی سنی زمین خریدی ہے کسی نے بھی نہیں خریدی، مگر ابن جعفر نے حضرت علی اور عثمان کے کراؤ کا کہہ دیا کہ ابن عوام نے کہا میرے پاس کمال ہوتا تو میں آپ کا شریک ہوتا، ابن جعفر نے کہا کہ میں آپ کو آدھا مال بلکہ قسیر دے جاؤں، ابن عوام نے کہا تو ہم میں آپ کا اس حق میں شریک ہوں، مگر ان کے پاس حضرت علی اور عثمان آئے اور کہا آپ لوگ اس بات پر راضی کر رہے ہیں، ابن جعفر کے فقر سے قنوع ہوئے، ابن عوام نے کہا آپ لوگ ایسے شخص کے تصرف پر پابندی کا رستہ ہیں نہیں جس کا شریک ہوں، حضرت علی اور عثمان نے کہا کہ ہم اس پر کچھ پابندی عائد نہیں کرتے، ابن عوام نے کہا کہ میں ان کا شریک ہوں۔ (بیہق حاشیہ اگلے صفحے پر)

سے کسی میں بھی درجگی پر قائم نہیں رہ سکے، یہ اور بات ہے کہ بعض مقلدین کی طرف سے انہیں بڑی پذیرائی ملی۔ ابن کمال نے جو کچھ کہا اس پر عبدالحی کھنوی کو کچھ تحفظات تھے جس کا ازالہ شہاب مرجانی نے اپنی کتاب "نظاۃ الحق" (۳۰) میں کر دیا ہے۔ مرجانی نے انہیں تنقید کی جس سے ابن کمال کی دونوں ترتیبوں کی عمارت گر گئی اور عبدالحی کھنوی کا شرح صدر بھی ہو گیا۔

یہاں میں ابن کمال (۳۱) کے رسالے "طبقات فقہاء" سے مجتہدین کی درجہ بندی حاشیے میں لفظ بلفظ نقل کرتا ہوں۔ ملاحظہ کیا کہ ان کی ترتیب و تقسیم (جس کا رد کیا جا چکا ہے) پر کونین مطلع ہو سکیں۔ یونہی اس کتاب کے آخر میں مرجانی کی تعظیم کا بھی ذکر کروں گا۔ یہ تعظیم اگرچہ طویل ہے تاہم اس کی ضرورت اور افادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا اور ساتھ ساتھ ابن کمال کی باتوں سے جو لوگ دعوے کے میں آگئے ہیں ان کے لیے حویج بھی ہوگی۔ یونہی یہ بھی پتہ چل سکے گا کہ ابن کمال نے کس طرح ابو

(بقیہ صفحہ ۵۹ کا حاشیہ) تحریک فقہی مسئلہ ہے لغت میں اس کا معنی مطاف رکنا ہے اور فقہ میں کسی انسان کو اپنے مال میں تصرف سے روک دینے کا نام بخر ہے۔ فقہی کے مطابق کسی شخص کو اپنے حق کا استعمال کرنے سے روک دینے یا بخر کے تحت اسباب ہیں:

(الف) چھوڑ دینے جس کے اعداد و معاملات میں فرق کی صلاحیت موجود ہو مگر نہ رشک نہ پہچان ہو

(ب) مستحق و جس کے پاس حق نہ ہو

(ج) اس لیے یعنی بیوقوف شخص

تیسرے سبب یعنی غایت کے تحت علماء مرضی نے لکھا ہے کہ سہابت خلاف شرع کام کرنے اور اجتناب اس کا نام ہے، وراحتان اور مالی تصرفات میں اصلاً شارع شریعت کے اعتبار سے مندرج ہے مگر سہابت اور اسراف کے طور پر شرعاً اور مردودوں کی طرح نام نہاد ہے، یہی وجہ ہے کہ سہابت کی وجہ سے ایست غم نہیں ہوتی ہے اور نہ ہی سہابت کو مذکور کچھ کرشی احکام ساقط ہو جاتے ہیں۔

امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک سہابت کی وجہ سے انسان کو تصرفات سے نہیں روکا جائے گا بلکہ دیگر سہابت کی وجہ سے کسی شخص کے تصرفات پر پابندی لگانا جائز نہیں جب کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ و شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا خیال ہے کہ ایسے تصرفات میں جس میں خلیج کا استعمال ہے سہابت باعث جرم ہے اور سہابت کی وجہ سے ملحق شخص کے تصرفات پر پابندی لگانا جائز ہے۔ تاہم صاحبین علیہ السلام پابندی کی بنیاد خود وسیلے کی ذات کو قرار دیتے ہیں اور امام شافعی پر جو روایت کماں کی بنیاد دیتے ہیں۔ صاحبان اور امام شافعی نے اپنے موقف پر قرآن وحدیث اور آثار صحابہ سے دلیل پیش کی ہے، جن میں ایک دلیل وہی امام ابو یوسف کی روایت کر دہ وہ کہہ دے ہے۔ ابن زبیر چوں کہ تمہاری انہوں میں مہارت رکھتے تھے اس لیے بدل ملے و مٹان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو چاہا کہ ابن زبیر مہارت انہیں جعفر کے ساتھ تجارت میں شریک ہیں تو ان کے تصرفات کو جائز قرار دیا (ملخص المسوط ج ۳ ص ۱۵۸)

یوسف اور ان کے امثال کو مجتہدین کی فہم کی فہرست میں شمار کر دیا ہے اور کس طرح انہیں ان کے مراتب سے فروتر کرنے کی کوشش کی ہے۔ جو لوگ رجال کی درجہ بندی میں مہارت رکھتے ہیں ان سے یہ بات بالکل پوشیدہ نہیں، یہی وجہ ہے کہ مرجانی نے ابو یوسف و زفر، محمد بن حسن کے بارے میں کہا کہ "ان فقہاء علم اگر مالک، شافعی اور ان کے امثال سے زیادہ نہیں تو ان سے کچھ کم بھی نہیں" جیسا کہ اس کا ذکر آگے آئے گا۔

مج یہ ہے کہ اجتہاد کے اعلیٰ اور ادنیٰ دو کنارے ہیں اور ان دو کناروں میں بھی مختلف درجات ہیں، پھر ان درجات کے درمیان بھی بڑا فرق ہے۔ کسی فقیہ کا مرتبہ صرف اس سے ظاہر نہیں ہو جاتا کہ اس کا شمار مجتہد مطلق مستقل کے طبقے میں کر لیا جائے۔ کیوں کہ بہت سارے ایسے علما ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو کسی مجتہد مطلق مستقل کی طرف منسوب ہی کرنا پسند کیا اس کے باوجود مستقل مجتہد سے مرتبہ میں برتر ہیں۔ ائمہ متبوعین کو کچھ تو ان میں صحیح معنوں میں استقلال کا معنی نہیں پایا جاتا تو پھر جو ان کے بعد آئے ان کا کیا حال ہوگا کیوں کہ ابو حنیفہ اپنے اکثر افکار میں ان فقہائے عراق کی پیروی کرتے ہیں جو علی اور ابن مسعود کے اصحاب اور ان کے اصحاب کے اصحاب ہیں۔ ابراہیم نخعی اس ضمن میں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ امام مالک بن انس نے ابن عمر اور زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور دونوں کے اصحاب اور ان کے اصحاب کے اصحاب کا طریقہ اختیار کیا جس کا سلسلہ مدینے کے فقہائے سہد (۳۲) اور ان کے اصحاب تک پہنچتا (۳۳) کتاب میں مذکور ہے۔ مہارت اس طرح ہے جو غالباً کتابت کی عقلی ہو سکتی ہے۔ مؤلف کا اصل نام شرف الدین ابو القاسم بن عبدالحی بن ترقی النبی ہے اور کتاب کا اصل نام خلاصہ عقود السرد والعقبات فی مناصب الامام ابی حنیفہ النعمان ہے (دیکھئے: مجلس العلماء ج ۲ ص ۳۵۲) مادی خلیفہ نے اسی مؤلف کی کتاب سرود خلاصہ العین فی فضائل الامام ابی حنیفہ کا تائید کرنا ہے لکھا ہے:

یہ کتاب شرف الدین ابو القاسم بن عبدالحی (یہاں کشف الطہور کے اس مطبوعہ نسخے میں "مہد اعظم" ہے جب کہ ص ۲ ص ۱۳۵ پر عبدالحی ہے) اور علی بن عیسیٰ (یعنی علی بن عیسیٰ) کے پہلے انہوں نے مناقب امام ابو حنیفہ کے منسوب ہی کیا ایک کتاب "تأمل خلاصہ عقود السرد والعقبات فی مناصب الامام ابی حنیفہ النعمان" تالیف کی ہے (کشف الطہور ص ۱۸۴)

(۳۵) اخبار ابی حنیفہ و أصحابہ ج ۱ ص ۱۰۰

(۳۶) مرجع سابق

(۳۷) مرجع سابق ص ۱۰۳

ہے۔ ربیعہ الراے اس ضمن میں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

امام شافعی نے ابن عباسؓ، ان کے اصحاب اور مکہ میں ان کے اصحاب کا طریقہ اپنایا، جن میں مسلم بن خالد خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ساتھ ساتھ عراقی اور حجازی فقہ کے سمندر سے بھی استفادہ کیا۔ امام شافعی اپنے قدیم نظریات میں امام مالک کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرتے رہے یہاں تک کہ عیسیٰ بن ابان نے ان کا رد کیا، اور بعد یہ فقہی نظریات میں مستقل ہونے کے باوجود ان پر امام محمد کے مسائل کا غلبہ نظر آتا ہے۔ کوئی مجتہد کسی دوسرے مجتہد کی کسی مسئلے میں موافقت کرتا ہے تو اس لیے نہیں کہ وہ اس کا مقلد ہے، بلکہ اس لیے کہ دوسرے مجتہد کے نزدیک بھی مسئلے کا حکم دلیل کی روشنی میں اسی طرح واضح ہو جاتا ہے جیسا کہ پہلے مجتہد کے نزدیک اس کا حکم ہوتا ہے۔ ابن خزیمہ اور ابن منذر اپنے اس دعوے سے کہ ”جب سے وہ شعور کی منزل میں پہنچے ہیں کسی کی تقلید نہیں کی“، مستقل مجتہد کے درجے تک بالکل نہیں پہنچ سکتے۔ محمد بن عبدالحکم نے جب امام شافعی کا زبردست رد کیا تو اس کے پیچھے ابن خزیمہ ہی کا ذہن کا فرما تھا۔ جنہوں نے ابن حکم کی مدد کی تھی اور ابن منذر کا کیا کہنا وہ جب کسی مسئلے کا ذکر کرتے تو اس کی نسبت اصل قائل کے علاوہ کسی اور کی طرف کر دیتے، ضعیف کو قوی بنا کر پیش کرتے اور قوی کو ضعیف بنا دیتے۔ ابو بکر قتال، ابویعلیٰ بن خیران اور قاضی حسین سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہم شافعی کے مقلد نہیں بلکہ ہماری رائے ان کی رائے کے موافق ہوگئی ہے۔ یہ لوگ اپنے اس دعوے سے بھی امام شافعی کے طبقے میں شامل نہیں ہو سکتے جیسا کہ ظاہر ہے۔ محقق نے علم و فضل اور تدوین میں جو کچھ کمال حاصل کیا اس سے متاخر کو تا شکر گزار نہیں بننا چاہیے۔ مذہب مالکی میں جو لوگ درجہ اجتہاد پر فائز تھے اور جنہوں نے سارے علوم میں مہارت حاصل کر لی تھی ان کا ذکر کرتے ہوئے ابو الولید بابی لکھتے ہیں ”ان فرحون کے مطابق امام مالک کے بعد یہ مقام صرف اور صرف قاضی اسماعیل کو حاصل ہوا“ ✽ بابی کے اس قول اور ابن عرّفہ نے جو اپنے بعض مشائخ کے لیے اجتہاد کا دعویٰ کیا ہے، میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اسی طرح امام تلسانی لکھی کے صاحبزادگان ابو زید

اور ابو موسیٰ کے تذکرے میں مالکیہ کا یہ اختلاف بھی مذکور ہے کہ ابن قاسم مجتہد فی المذہب ہیں یا امام مالک کے مقلد ہیں۔ امام نووی نے ”تہذیب الاسماء و اللغات“ میں امام حنفی کے تذکرے میں امام الحرمین کے حوالے سے نقل کیا ہے:

”میں دیکھتا ہوں کہ حنفی نے جو بھی قول پسند کیا ہے اس کی حیثیت تخریج کی ہے، کیوں کہ وہ ابو یوسف اور محمد کی طرح شافعی کے اقوال کی مخالفت نہیں کرتے ہیں، وہ دونوں تو اپنے امام کی اصول میں مخالفت کرتے ہیں۔“

امام نووی کے مطابق حنفی مجتہد فی المذہب کے درجے میں ہیں جب کہ ابو یوسف اور محمد مجتہد فی المذہب کے درجے سے اوپر ہیں کیوں کہ وہ اگرچہ اپنا انتساب امام کی طرف کرتے ہیں تاہم اصول اور فروع دونوں ہی میں امام کی مخالفت بھی کرتے ہیں، جہاں تک کچھ لوگوں کا یہ کہنا کہ ابو یوسف اور محمد اس وقت تک کوئی مسئلہ بیان نہیں کرتے جب تک کہ وہ اپنے امام سے سن نہیں تو ان شاء اللہ اس کا ذکر ہم ایک خاص فصل میں آگے کریں گے۔

محمد ابراہیم بن ابی داؤد برلوسی نے بھی ابن معین سے روایت کی کہ:

حدیث سے متعلق اصحاب رائے میں ابو یوسف سے زیادہ اہمیت، اصح اور
احفظ کسی کو نہیں پایا۔

عباس دوری نے ابن معین سے روایت کی کہ ابو یوسف صاحب روایت اور صاحب سنت ہیں۔
محمد بن سمانہ نے بھی ابن خالد کے حوالے سے بیان کیا کہ:

ابو یوسف جب ہمارے پاس آئے تو اس وقت انہیں فقہ میں مہارت نہیں
تھی مگر ایک ایسا وقت آیا کہ پوری روئے زمین ان کے فقہ سے بھر گئی۔

بشر بن ولید کہتے ہیں کہ میں نے ابو یوسف کو کہتے ہوئے سنا کہ اعمش نے ایک مرتبہ
مجھ سے کسی مسئلے کے بارے میں دریافت کیا، میں نے اس کا جواب دے دیا۔ اعمش نے پوچھا
آپ نے کس دلیل کی بنیاد پر یہ جواب دیا؟ کہا وہی حدیث میری دلیل ہے جس کو آپ نے
روایت کیا ہے۔ اعمش نے کہا "اے یعقوب مجھے یہ حدیث اس وقت سے یاد ہے جب کہ آپ
کے والدین بھی آپس میں نہیں ملے تھے (یعنی آپ کی پیدائش سے پہلے) مگر آج مجھے اس کا
معنی معلوم ہو رہا ہے۔

ابن زنجلی کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن داؤد حرمی کو کہتے ہوئے سنا کہ:

ابو یوسف کو فقہ یا علم (راوی کو شک ہے) پر اس قدر عبور حاصل تھا کہ جس
طرح چاہتے اسے استعمال کر تے۔

عمرو بن محمد ناقد کہتے ہیں کہ مجھے اصحاب رائے میں سے ابو یوسف کے علاوہ کسی سے بھی
روایت نہ کرنا پڑی تھی کیوں کہ وہ صاحب حدیث تھے۔

جنبل کہتے ہیں کہ میں نے احمد بن حنبل سے سنا کہ ابو یوسف حدیث میں منصف تھے۔

قاضی ابو حازم نے بکر اعنی کے حوالے سے ہلال الرائے سے روایت کی کہ ابو یوسف
تفسیر، مخازن اور ایام عرب کے حافظ تھے ان کا ایک بڑا علم فقہ تھا۔

حزنی نے فرمایا ابو یوسف ان میں حدیث کے سب سے زیادہ پابند تھے۔

احمد بن حلیہ نے محمد بن سمانہ کے حوالے سے بیان کیا کہ ابو یوسف منصب فقہ پر فائز ہونے

امام ابو یوسف ارباب علم و دانش کی نظر میں

امام ذہبی نے اپنی کتاب تذکرۃ الحفاظ میں ابو یوسف کا تذکرہ حفاظ حدیث کے ضمن میں کیا
ہے، اور یہ لکھا ہے کہ:

ابو یوسف کے علم اور سرداری سے متعلق متعدد روایات موجود ہیں، میں نے
ان کا اور ان کے ساتھی محمد کا تذکرہ خاص جزم میں کیا ہے۔

ذہبی نے اپنے جس جزم میں ابو یوسف کا تذکرہ کیا ہے وہ مضبوط ہے۔ ذہبی نے ابو یوسف
کے مناقب میں ثناء الاسلام علی ابی یوسف کے عنوان کے تحت بڑے اچھے کلمات کا ذکر
کیا ہے، ان میں سے بعض یہ ہیں۔

اسد بن فرات نے محمد بن حسن کے حوالے سے ذکر کیا ہے کہ:

ابو یوسف بیمار ہوئے تو ابو حنیفہ ان کی عیادت کے لیے آئے، جب باہر

آئے تو زمین کی طرف اشارہ کر کے فرمایا "یہ جو ان روئے زمین پر سب

سے بڑا عالم ہے۔"

عباس دوری نے امام احمد بن حنبل کے حوالے سے بیان کیا کہ:

حدیث لکھنے کے لیے سب سے پہلے میں قاضی ابو یوسف کے پاس گیا، ان

سے میں نے بہت ساری حدیثیں لکھیں، اس کے بعد حدیث کے لیے کسی اور

کے پاس گیا، اور ابو حنیفہ اور محمد سے زیادہ ہمارا جھکاؤ ابو یوسف کی طرف تھا۔

ایک روایت میں ہے کہ تین سال میں تین ٹن یعنی بہت زیادہ حدیثیں میں نے ابو یوسف
سے نقل کیں۔

کے بعد روزانہ دو رکعت (نفل) نماز پڑھا کرتے تھے۔

عہاس نے بھی بنی معین کے حوالے سے بیان کیا کہ ابو یوسف اصحاب حدیث سے محبت کرتے تھے اور ان کی طرف ان کا رجحان زیادہ تھا۔

عبداللہ بن علی بن مدنی اپنے والد کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ جب ابو یوسف ۱۸۰ھ میں بعروا آئے تو ہم لوگ ان کے پاس جایا کرتے تھے، وہ ایک طرف دس حدیثیں ذکر کرتے تو دوسری طرف دس آرا کا تذکرہ کرتے۔ میرے والد نے یہ بھی کہا کہ ابو یوسف کی صرف ایک حدیث جو ہشام بن عروہ سے حجر (۳۳) سے متعلق ہے مجھ تک پہنچی ہے اور وہ سچے تھے۔

یہاں تک جو بھی ابو یوسف کے مناقب بیان ہوئے وہ امام ذہبی کے جز کا حصہ تھے۔

حارثی اپنی سند سے حسین بن ولید کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ:

ابو یوسف جب بات کرتے تو لوگوں کو حیران کر دیتے اور لوگ ان کی باریکی سے تعجب میں پڑ جاتے۔ میں نے ایک دن دیکھا کہ وہ ایک نہایت ہی دقیق اور جھلک مسکے پر بات کر رہے تھے، وہ اتنی سفاکی اور تیزی کے ساتھ بات کر کے گزر گئے جیسا کہ تیر گزر جاتا ہے۔ باریکی کی وجہ سے حاضرین میں سے کوئی بھی مسئلہ نہیں سمجھ سکا، ہم لوگوں کو بڑا تعجب ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس طرح علم کون کے لیے سزا اور ناکان بنا دیا ہے۔

ابوالقاسم شرف الدین بن عبدالحلیم قرطبی نے اپنی کتاب فلاح عقود العقبان فی مناقب ابی حنیفۃ النعمان (۳۳) کی آخری فصل (جو ابو یوسف کے مناقب سے متعلق ہے) میں کہا کہ صمری نے حسن بن ابی مالک سے روایت کی، وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو یوسف کو کہتے ہوئے سنا کہ "میں نے جب بھی کوئی نماز پڑھی اس کے بعد ابو حنیفہ کے لیے اللہ سے دعا کی اور مغفرت

(۵۰) ملا، وہ واحد ہے اور الٰہی ہے، الٰہ الٰہی کی تعریف یہ ہے کہ شیخ کے علاوہ اس کے ارگرد ہم اور کائنات کے زمینیں اور شیخ جو کچھ دوسری عالمی علم اے نکلتا ہے، اس طرح ایک کتاب کی شکل تیار ہو جاتی ہے۔ اس مجموعہ کو "الما" یا "الما" کہتے ہیں۔ (كشف الطون ج ۱ ص ۱۶)

(۵۱) الفہرست لابن ندیم ج ۱ ص ۸۹

(۵۲) تاریخ بغداد ج ۱ ص ۳۳۵

طلب کی" اور کہتے ہیں کہ علی بن ابی صالح جب ابو یوسف کے حوالے سے کوئی حدیث بیان کرتے تو کہتے مجھ سے سب سے بڑے فقیہ، قاضی القضاۃ، سید العلما ابو یوسف نے حدیث بیان کی۔ (۳۵)

بشر بن ولید نے کہا "تم ان کی تعظیم نہیں کرتے؟ ان کی بڑائی کا اعتراف نہیں کرتے، میں نے ان کے جیسا کسی کو نہیں دیکھا" (۳۶) (یاد رہے کہ بشر نے ابن ابی ذعب اور شعبہ جیسے محدثین کو دیکھا تھا)

صمری نے طحاوی کے حوالے سے بیان کیا کہ ابن ابی عمران کو کہتے ہوئے سنا کہ علی بن جعد نے ہمیں کچھ اہل کراویا اور اہل کھسونا ابو یوسف (اس وقت ابن جعد کی مجلس اہل علم سے بھری ہوئی تھی) ایک شخص نے کہا اے ابوالحسن کیا آپ ابو یوسف کی بات کر رہے ہیں؟ علی بن جعد نے سمجھا کہ ابو یوسف کا نام اس طرح لینا مناسب نہیں، لہذا انہوں نے کہا جب ابو یوسف کا ذکر کرنے کا ارادہ کرو تو اپنے منہ کو گرم پانی اور اشنان سے پہلے دھویا کرو، پھر گندہ کی قسم نہیں لے ان کی طرح کسی کو نہیں دیکھا۔ (۳۷) (ابن ابی عمران کا قول گزر چکا، ابن جعد نے ثوری، حسن بن صالح، مالک، ابن ابی ذعب، لیث بن سعد، اور شعبہ بن حجاج جیسے علما کو دیکھا تھا)

قرطبی نے ابو یوسف کے بارے میں یہ بھی کہا کہ وہ ثقافت اور صدوق ہیں، سنائی نے ان کی توثیق کی ہے۔

احمد بن کامل بخاری (آپ اخبار القضاۃ کے مؤلف اور ابن جریر کے ساتھی ہیں) نے کہا یحییٰ بن معین، احمد بن حنبل، ابو علی بن مدنی نقل کرنے میں ابو یوسف کی ثقافت میں کچھ بھی اختلاف نہیں رکھتے تھے۔

ابن حبان نے اپنی کتاب مناقب میں ہمارے اصحاب پر طعن کے باوجود ابو یوسف کے تذکرے میں لکھا کہ:

وہ ان مشائخ میں سے تھے جو حفظ و اتقان کے درجے پر ہیں (۳۸) ہم ان

(۵۳) تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۶۸، تذکرہ کبیر ۴، سیر اعلام النبلاء ج ۱ ص ۶۱، تذکرہ کبیر ۱۰

(۵۴) کشف القلوب ج ۱ ص ۶۸، ابو یوسف کے بارے میں ابن ابی ذعب نے کہا کہ آپ کے تین سو سے زیادہ جلدوں پر مشتمل ہے۔ (دیکھئے تاریخ بغداد ج ۱ ص ۱۳۶)

لوگوں میں سے نہیں کہ جس کو ہم برا سمجھیں اس بارے میں لوگوں کو وہم میں رکھیں اور نہ ہی ان لوگوں میں سے ہیں جو کسی پر ظلم کو دیکھتے بلکہ جو انسان جرح یا تعذیل کا مستحق ہے، اس کو اس کا حق دیتے ہیں، زفر اور ابو یوسف کی عدالت ظاہر ہو جانے کی وجہ سے ہم نے انہیں ثقافت میں شاکر کیا ہے اور جو ان کے شاگرد ہیں ان کو ہم نے ضعیف شاکر کیا ہے، جن سے احتجاج صحیح نہیں۔

پھر ابن حبان نے ابو یوسف اور ان کے بیٹے کی وفات کا ذکر کرنے کے بعد کہا:

”میں نے ابن فضلہ کو کہتے ہوئے سنا وہ کہتے ہیں کہ میں نے محمد بن صباح کو کہتے ہوئے سنا وہ نے کسی نے کہا کہ عظیم سے آپ نے کیا نہیں لکھا؟ جواب دیا کہ میں کسی دن بھی عظیم کی مجلس کیوں چھوڑا تھا، ایک مرتبہ میں نے ان سے کوئی مسئلہ دریافت کیا، انہوں نے اس کا صحیح جواب نہیں دیا تو میں نے ان کی مجلس چھوڑ دی اور ابو یوسف کی مجلس اختیار کر لی ابو یوسف نیک انسان تھے، ہمیشہ روز ورکھا کرتے تھے۔“

(ابن حبان کی کتاب اشقات کتب خانہ ظاہریہ دمشق میں نمبر ۱۷۷ کے تحت موجود ہے) (۳۹)

قاضی کبج نے اسرار القضاۃ میں حسین بن محمد بن ابی مضر کے حوالے سے ذکر کیا ہے کہ ابو یوسف حیرہ میں ابو مضر کے لیے لکھنے کا کام انجام دیتے تھے۔

محمد بن ابی بکاب سے مروی ہے، انہوں نے عمرو بن حفص بن غیاث سے، انہوں نے اپنے والد سے روایت کیا کہ حجاج بن ارطاةؒ ۲۸۱ میں المانئیں کراتے تھے اور ابو یوسف ان سے سوال کیا کرتے، جب حجاج جانے لگتے تو لوگ ابو یوسف کے پاس جاتے وہ اپنی یادداشت سے سب کچھ الاماراد یا کرتے۔ حفص کہتے ہیں کہ میں وہی لکھتا تھا جو میرے سینے میں موجود ہوتا۔

(۵۵) جرعی حکومت، مسلمانین قلاوون نے اپنی حکومت میں جرعی نظام جن کا حلقہ بحر قزوین اور اسود کے بائیں واقع علاقے سے تھا، ایک تدارک پر کرانی حکومت میں سائرسز تہیب دینے کا ارادہ کیا، مصلحتی قلاوون کے بعد ان ملکوں کا اثر و سرور حکومت کے داخلی معاملات میں بڑھتا گیا یہاں تک کہ انہوں نے حکومت کا کنٹرول سنبھال لیا اور ۸۳۷ء سے ۹۲۳ء (مطابق ۱۲۸۳ء تا ۱۵۱۷ء) تک عمل ایک سو پچیس برس حکومت کی۔ اس مدت میں ان کے ۲۳ راجہوں نے حکومت کی۔ ان ملکوں کو براہ راست ان کے املاک کی طرف نسبت کی جاتی ہے کہ جاتا ہے، یوں ہی ان پر براہ راست املاک اس لیے کیا جاتا ہے کہ سلطان قلاوون نے قلعہ کے برجوں میں اس لیے غم یا غم کرنا ایک کی دیگر قوموں اور شہری باشندوں سے ان کا استغلاک ہونے پائے۔

ابو عبد اللہ صیمری نے اخبار ابی حنیفہ و اصحابہ میں اور حافظ ابو القاسم بن ابی العوام نے فضائل ابی حنیفہ و اصحابہ میں ابو یوسف کے مناقب کا پوری طرح ذکر کیا ہے۔ خطیب بغدادی ہمارے اصحاب سے متعلق کچھ گہری کے باوجود (جس کا بیان میں نے اپنی کتاب مناقب الحطیب میں کیا ہے) ابو یوسف کے مناقب سے چشم پوشی نہیں کر سکے بلکہ اچھی باتوں کا ذکر کیا جن میں سے بعض بطریق طحاوی اور صیمری ذکر کیں ہیں۔ خوف خدا کا پاس کیے بغیر کچھ بے بنیاد اور ذلیل کا ذکر بھی غیر معتبر اسناد کے ساتھ کیا ہے۔ موفق بنی کی کتاب مناقب ابی حنیفہ اور صاحب فتاویٰ یزیدی کی کتاب مناقب ابی حنیفہ میں ابو یوسف کا تذکرہ شرح وسط کے ساتھ موجود ہے۔ اول یعنی موفق بنی نے رواہوں کا ذکر کر کے اسناد کے ساتھ کیا ہے، جس سے رجال پر دسترس رکھنے والے قاری کے لیے صحیح اور قیوم کو پرکھنا آسان ہو گیا ہے۔ دوم یعنی صاحب فتاویٰ یزیدی نے بغیر سند کے واقعات کا ذکر کیا ہے، لہذا رواہوں کی تہ تک پہنچنے کے لیے اصول کی طرف رجوع ہے چھٹا رانئیں۔ مسند ابی حنیفہ کے مؤلف قاضی کبیر ابن عوام کی ثقاہت سے متعلق کسی طرح کے کلام کی گنجائش نہیں، ان کی کتاب کا ذکر پہلے آچکا ہے، یہ سانی اور طحاوی کے معزز اصحاب میں سے ہیں، اہل علم نے ان کا تذکرہ اچھے انداز میں کیا ہے ۳۳۵ء کے آس پاس ان کا انتقال ہوا ہے۔ قضاہی نے اپنی کتاب قاضی احمد بن محمد بن عبداللہ بن محمد بن احمد بن یحییٰ بن عمارت سعدی معروف بایمن ابی العوام (عن ایہ عن حلدہ ابی القاسم) (یہ کتاب کے مؤلف ہیں) کے حوالے سے روایت کی ہے۔ اس کی سند اعلیٰ درجے کی صحت پر ہے، اس سے وہی شخص ناہلہ در مسکا ہے جو بڑا جاہل ہے یا ایسا شخص جس کے دل میں کچھ خرابی ہے۔ فلس پرستی سے اللہ تعالیٰ کی پناہ۔

سداسیات الرزقی کی روایت قضاہی کے حوالے سے بعد ابی العوام یعنی مؤلف کے طور پر ہے۔ ذہبی نے اپنے جس جس میں یحیٰی ابو یوسف کا تذکرہ کیا ہے اس میں بڑے فوائد ہیں۔ اسی طرح ابو القاسم قرطبی اور علامہ نووی بن مصطفیٰ قونی نے جو ابو یوسف کا تذکرہ کیا ہے اس میں بھی بڑی مفید باتیں ہیں۔ اسی طرح زیلعی نے بھی ابو یوسف کے مناقب سے متعلق ایک ملحدہ نوک لکھا ہے۔ ہم اپنے ائمہ کرام کی تعریف میں اسی قدر پر اکتفا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے علم سے نفع پہنچائے۔

امام ابو یوسف کی تصنیفات

امام ابو یوسف کی تصنیفات بہت زیادہ ہیں، اہل علم نے ان سب کا ذکر اپنی کتابوں میں کیا ہے مگر جو ہم تک پہنچ سکی ہیں ان کی تعداد بہت کم ہے۔ ان میں سے الاشیار ایک ہے، اس میں فقہی دلائل کا بیان ہے، اس کی اکثر روایتیں ابو حنیفہ سے مروی ہیں۔ ابو یوسف کی ایک مسند بھی ہے، کتابوں میں ان کے حوالے سے اس کا ذکر ملتا ہے، ہمیں اس کا کچھ پتہ نہیں چل سکا، ہم تک پہنچنے والی ایک کتاب اختلاف ابن ابی لیلیٰ و ابی حنیفہ ہے اور ایک دوسری کتاب الرد علی سیر الاوزاعی ہے۔ کتاب الخراج یہ ایک رسالہ ہے جو انہوں نے رشید کو احکام اموال سے متعلق لکھا تھا، اسی کی فرمائش پر اس کی تالیف بھی کی۔ کتاب کے مقدمے سے معلوم ہوتا ہے کہ حق بیان کرنے میں وہ کسی کی پروا نہیں کرتے ہیں۔ ان کے طبقے میں سے کسی نے بھی اس طرح کی کتاب ترتیب نہیں دی بلکہ اگر ہم یہ کہیں کہ اس جیسی کتاب لکھی ہی نہیں گئی تو کوئی مبالغہ نہیں ہوگا۔ جو اس کتاب اور اس موضوع پر لکھی جانے والی دوسری کتابوں کا تقابلی مطالعہ کرے گا وہ اس بات کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس کتاب

(۵۷) اس میں کی روایت متوفیٰ بنی نے اپنی سند کے ساتھ امام ابو یوسف کے بھائی ابو بکر کے حوالے سے نقل کی ہے۔ (دیکھیے: مناقب ج ۲ ص ۲۳۳) اور اس سے نقل انہوں نے اپنی سند سے ابراہیم حرنی کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ابو یوسف بڑے دانش مند تھے انہوں نے فرمایا کہ علم حدیث کثرت روایت کی وجہ سے حاصل مت کر لوگ تم پر بھوت کا اہرام لگائیں گے، دنیا حاصل کرنے کی غرض سے علم کی کیا مت حاصل کروایا کرنے سے تم مطلق ہو جاؤ گے، اور علم کلام حاصل کرنے کی غرض سے علم مت حاصل کر لو کیوں کہ اس کی وجہ سے ہر گھڑی تمہیں ایک کے ساتھ معذرت کرنی پڑے گی (دیکھیے: مناقب للموفق ج ۳ ص ۲۳۹، مناقب بغداد ج ۱ ص ۱۵۳، تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۳۹، سیر

کی چند شروعات بھی ہیں جس میں اس کے غوامض کی تشریح کی گئی ہے اور اس کے معانی کو اجاگر کیا گیا ہے۔

معارف اور حیلوں سے متعلق بھی ایک کتاب ان سے منسوب ہے، جو دار الکتب المصریہ (قاہرہ) اور شہید علی پاشا کی لائبریری (آستانہ ترکی) میں موجود ہے۔ جرمن مستشرق جوزف شاخت نے محمد بن جعفر بن حسن کے نام سے اس کو شائع کیا ہے۔

محمد بن اسحاق اللہیم لکھتے ہیں کہ:

اصول اور امالی میں ابو یوسف کی کئی کتابیں ہیں، جن میں بعض درج ذیل ہیں (۱) کتاب الصلاۃ (۲) کتاب الزکاة (۳) کتاب الصیام (۴) کتاب الفرائض (۵) کتاب البیوع (۶) کتاب اللہوۃ (۷) کتاب الوکایہ (۸) کتاب الوصایا (۹) کتاب الصید والذبايح (۱۰) کتاب الخصب (۱۱) کتاب الاستبرا۔ امام ابو یوسف کا امالہ (۵۰) بھی ہیں، جس کو قاضی بشر بن ولید نے روایت کیا، یہ امالی چھتیس کتاب پر مشتمل ہیں۔ اس کے علاوہ کتاب اختلاف علماء الامصار، وکتاب الرد علی مالک بن انس، ورسالۃ فی الخراج الی الرشید، وکتاب الحوامع، وکئی بن خالد کے لیے چالیس کتابوں پر اس کو مرتب کیا، اس میں لوگوں کے اختلاف کا تذکرہ بھی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ جس رائے پر فتویٰ ہے اس کا بھی ذکر ہے۔ (۵۱)

طہ بن محمد بن جعفر الرشید لکھتے ہیں:

ابو یوسف مشہور شخصیت ہیں، ان کا فضل و کرم ظاہر ہے، ابو یوسف کے ہم نفس ہیں، اپنے زمانے کے سب سے بڑے فقیہ ہیں، ان کے زمانے میں کوئی بھی ان سے آگے نہ بڑھ سکا، علم و حکمت، سرداری اور قدر و منزلت کے اعلیٰ درجے پر فائز تھے، مذہب حنفی میں اصول فقہ کی ترتیب دینے والی پہلی شخصیت ہیں، انہوں نے احناف کے مسائل املا کرائے، اسے ترویج دی اور اس طرح ابو یوسف کے علم کو چاروں ائمہ عالم میں پھیلادیا۔

خطیب نے بھی کچھ اسی طرح بواسطہ توفیق طہ بن محمد بن جعفر سے نقل کیا ہے۔ (۵۲)

ابو یوسف کو مذہب حنفی کے اصول فقہ کا وضع اول سمجھا جاتا اور امام شافعی کو مذہب شافعی میں اصول فقہ کا وضع اول سمجھا، ان دونوں باتوں میں کچھ تعارض نہیں، بلکہ امام شافعی کا اپنی کتاب میں اپنے مانہل علمائے اصولی مسائل میں بحث کرنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ شافعی کو اصول فقہ کا وضع اول قرار دینا ان کے اپنے مذہب کے مطابق ہے۔ اتنا واضح امر ہونے کے باوجود اصول احناف پر قلم اٹھانے والے بعض لوگ اس میں بے جا تکلف کرتے ہیں اور احناف کی اولیت کو ثابت کرنے میں عار یوں کی ایسی تو شبیحات پیش کرتے ہیں جس کی وہ تحمل نہیں ہوتیں۔ اگر کوئی اس نظریے کا رد ہی کرنا چاہتا ہے تو اسے صراحت کے ساتھ یہ کہہ دینا چاہیے کہ اس کے اصل بانی معتزلہ ہیں، اس طرح وہ ان تکلفات سے بچ بھی جائیں گے اور رد بھی ہو جائے گا (اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی عافیت میں رکھے)

ذہبی نے ابو یعلیٰ موصلی کے تذکرے میں لکھا ہے کہ:

حافظ ابو یعلیٰ کہتے ہیں کہ اگر ابو یعلیٰ بشر بن ولید کے ساتھ ابو یوسف کی کتاب میں مشغول نہ ہوتے تو بصرہ میں سلیمان بن حرب اور ابو ولید طایسی کو پالیتے۔ (۵۳)

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ابو یوسف کی کتابوں کا ایک انبار تھا، کیوں کہ وہ اسے سماع کتب اور حتیٰ میں بڑی تیزی سے کام لیا کرتے تھے، کتنے ان میں ایسے ہیں جنہوں نے صحیح بخاری تین روز میں مکمل کر لی، اگر ابو یوسف کی موقوفات کی کثرت نہ ہوتی تو ابو یعلیٰ کو مذکورہ شیخین سے متعلق سے کوئی چیز نہیں روک سکتی تھی تا کہ وہ ان مشائخ کے ذریعے اپنی سند کو عالمی بنا سکیں۔ بعض کتابوں کی متعدد جلدیں ہونے کی وجہ سے ان کے ضائع ہو جانے کا گمان اور بھی بڑھ جاتا ہے۔

کشف الظنون میں ہے:

ابو یوسف کے لمالی تین جلدوں میں ہیں، (۵۴) اگر ہر جلد حدیث کے ایک جز پر مشتمل ہو تو بھی ان کے زمانے کے اعتبار سے کتاب کا حجم بہت بڑا ہو گا، تاہم ابھی ابھی قرطبی کا جو کام گرامر اس میں اتنا اور بھی ہے کہ "ابو یوسف کے مناقب میں یہ بھی ہے کہ وہ بڑی بڑی مفصل کتابوں کے مصنف بھی ہیں، جن میں علماء،

امالی، ادب، قاضی (بشر بن ولید کو ملایا ہے) اور مناسک وغیرہ ہے، ہمارے شیخ
نجی الغزوی جو مسجد حرام کے واعظ ہیں (مجرسود کی جانب کعبہ مشرفہ کے سامنے
وعدہ کیا کرتے تھے) جب ۹۰۸ھ میں شیر زید آئے تو مجھ سے کہا کہ وہ اس بات
سے واقف ہیں کہ ابو یوسف رحمہ اللہ کے امالی جو تین سو چودہوں میں ہیں ملک شام
کے ایک شیر خوار بچہ کے در سے ہیں ایک علیحدہ الماری میں موجود ہیں۔

ممکن ہے یہ کسی خاص الماری میں موجود ہو جیسا کہ ابن زکون کی الحکوا کتب الدراری
کتاب خانہ ظاہر یہ دمشق کی ایک علیحدہ الماری میں موجود ہے۔

اس عظیم اور عظیم کتاب سے متعلق ہمارے پاس کوئی اطلاع نہیں ممکن ہے یہ ان کتب کے

(۵۸) المسند للشیخ ج ۳ ص ۲۳۸۔ امام کوثر نے نے پیش کی کہ اس کا تذکرہ کیا ہے جب کہ موفق نے رشید
کے بیٹے ہارون کی مجلس کا واقعہ ذکر کیا ہے، اس میں تاریخ نگار (ج ۳ ص ۲۵۳) میں بھی ہے۔ وفاق علیہ
(۵۹) اس معنی سے قریب موفق نے اپنی کتاب (مناقب ج ۲ ص ۳۸) میں بھی ہے کہ اس کے نقل کیا ہے کہ ان
کا بیان ہے کہ ابو یوسف اور شریک امیر المومنین ہارون رشید کے پاس آئے شریک نے امیر المومنین کو جب کہ کہا
آپ کے قاضی جو ابو یوسف کے ہم عصر ہیں، کیا بیان ہے کہ ان کا بیان جرمی کے بیان کی طرح ہے اس میں امیر المومنین
غضب ہو گئے اور ابو یوسف سے یہ چچا کیا یہ کہہ رہے ہیں؟ ابو یوسف نے جواب دیا میں نے اس طرح نہیں بلکہ
اس طرح کہا ہے کہ میں جزیہ پر جرمی کا بیان کرتا ہوں۔

(۶۰) محمد بن ابی جریہ کی تحقیق و تحقیق سے ہماری طرف سے جو احادیث نقل کیے گئے ہیں وہ مسانیت اور جہد
مکان کا ثابت کرتا ہے اور جب ابیہ کو ان کی طرف سے جہد کا واقعہ نقل کیا ہے جو اس کے سرکردہ وہاں میں
سے ان کی کام و شام میں تھم کو یاد ہوتا ہے، ان کے نقل کیے گئے احادیث سے متاثر قرار دیتا ہے۔ جس کے سرکردہ وہاں میں
کے باطل نظریات کا بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے، جن میں بعض یہاں نقل کیے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا کلمہ اور جو ہم
جس میں طویل، عرض اور مق ساری چیزیں موجود ہیں، اس کا طول اس کے عرض کی طرح ہے، اس کا عرض اس کے طول کی
طرح، وہ ایک چمکنا اور ہے، طول اور عرض کی مقدار سے متصف ہے، اس کا طول ایک مکان سے دوسرے مکان کی
طرف قرار نہیں، اس کی صفیہ یا تندرہ موتی کی طرح ہے جو ہر چار جانب سے گول ہوتی ہے۔ رنگ و روپ، جزا اور
خوشبویں والا ہے حرکت و استقرار بھی اس کے اندر موجود ہے اور الثابتہ بھی ہے (مختصر اختلافات الاسلامین و
اختلاف المصلین ص ۲۹۹)

مخالف اس طبعان ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ جسم ہے اور انسان کی شکل میں ہے، اس کے جسم میں گوشت پوست، خون، ہال
اور ہڈی بھی ہے، وہ جھوٹا ہڈوں پر ہڈیاں رکھتا ہے جیسے اعضا و جوارح کا ٹکڑا بھی ہے ان سب کے باوجود وہی کی طرح
نہیں اور نہ کوئی اس کی طرح ہے (مختصر از مرتب سابق (ابو حنیفہ کا بیٹا سلفی)

ساتھ شائع ہو گئی جو سو سو صدی ہجری کی خوش روز بنگلوں میں شائع ہوئیں، جس میں جرمی
(قریب چھٹے کا حاشیہ) میں ہی حدیث میں "سورت" وغیرہ جیسے الفاظ اپنے معنی نقل پر محمول ہیں، ان میں خبر ہے کہ علم
برادر شیوں کا ایک غالی فرقہ ہوا، جس کی حدیث سے عقل رکھنے والے جماعت سے اس خبر پر کے مطابق اللہ کا دربار اور
جسم سے مرکب ایک کلمہ انسان ہوا لازم آتا ہے، ان میں سے بعض نے اپنے رب سے کس وصاف کو بھی جہاد قرار دیا
ہے بلکہ اس حدیث تسلیم کرتے ہیں کہ بعض اہل ایمان، ریاضہ و مجاہدہ کی وجہ سے آخرت کیادنا میں بھی محاذاتہ کر سکتے
ہیں۔ اس عقیدہ سے ان کو اس کے لیے قرآن کریم کی آیت سے کہہ کر کہ جس کسلہ شہی کا فی ہے، ظاہر ہے کہ فکر مشوی
الافتقار کا لسان انسانی ہے جو اس میں بھی اعتبار سے درست نہیں۔ امام جزیہ فرماتے ہیں:

وله قال بعض العلماء المحققين: "الوحيد البات ذات غير مشبهة للوالت ولا معطلة من
الصفاة وزاد الواسطی رحمه الله تعالى بيانا فقال: ليس كذلك ذات ولا كاسمه اسم ولا كمله
لعمل ولا كصفه صفة الامن جهة موافقة للصفة وجلت الذات القدیمة ان يكون لها صفة
حدیة، كما استحال ان يكون للذات المحدثه صفة قدیمة، وهذا محل مذهب أهل الحق والسنه
والجماعة وحسب الله تعالى عنهم." (الجامع لاحکام القرآن، سورہ شوریٰ، ص ۱۱۰)

بعض محققین علمائے فرمایا کہ خود یہ ہے کہ ذات باری کا جو ذات کی مشابہت کے بغیر تسلیم کیا جائے اور
نصوص میں وارد صفات سے مراد بھی نہ سمجھا جائے۔ علامہ اسمعی نے جو ترویج کے ساتھ فرمایا کہ ذات باری کی طرح کوئی اور
ذات نہیں، اس کے نام کی طرح کوئی اور نہیں، اس کے فعل کی طرح کوئی نہیں، اس کی صفات کی طرح کوئی اور نہ
نہیں، صرف اس قدر ہے کہ ذات کے ان کی موافقت ہونا ذات باری قدیم سے کمال ہے کہ اس کی کوئی صفت ہوا
طرح جیسا کہ کمال ہے کہ جس کی صفت ہوا، بلکہ اس میں حق الباطن صفت کا جذبہ ہے۔

تجربہ سے تاریخی جہاں سطر تاریخی اعتبار سے یقین سے ساتھ یہ فیصلہ نہیں کیا سکتا کہ جزیہ کی ابتدا تک سے کوئی تاہم
بعض صحابہ یا تابعین کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد صحابہ کرام کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس فرقے کا جو درجہ اور یقین
کے ساتھ اتنا ضروری جہاں سکتا ہے، وہ ان کے ابتدائی زمانے میں جزیہ کی عاقبت تکیل تھے۔

جزیہ کا معنی اور جزیہ کے نظریات سے اندازہ صحیح رہتی تھیں تھے۔ "جزیہ کا معنی بندے سے حق تعالیٰ کی لگی کردی جائے اور
اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کردی جائے" جزیہ کی مختلف قسمیں ہیں (۱) خاص جزیہ جزیہ فرقہ بندوں کے لیے فعل اور
قدرت علی اہل کی چیز کا بھی فعل میں (۲) جزیہ جزیہ فرقہ بندوں کے لیے قدرت کا توکل سے مکر اس کا جانا ہے
کس قدرت کا فعل ہو گئی نہیں۔ جزیہ قدرت کا توکل سے مکر اس کا جانا ہے، انہیں "کسی" کہا جاتا ہے،
ادب جزیہ نہیں، معجزہ نہیں، فعل کو جزیہ کہتے ہیں جواہر احادیث میں اس طرح بھی قدرت کا توکل سے مکر اس کا جانا ہے
نہیں مانتے ہیں، مقالات کے معنی میں ہے کہ جزیہ اور ضرر اور جزیہ کا ایک فرقہ بنا ہے، یہاں ہی صفاتی کی کاہیہ
جماعت کا شمار بھی نہیں کیا ہے۔ انشاء میں ان پر حشو اور بھی جزیہ کا طلاق نہیں کرتے، انہیں ان کا شمار جزیہ میں
کیا ہے، ہم نے مولانا کے نقل کیات کے اسنے والے "تجربہ" سے نام سے جانے جاتے ہیں، علامہ شریانی نے ہم ان
کے اصحاب کو "جزیہ" سے ظاہر "کا ایک فرقہ کیا ہے، اس کے بعد یہ لکھا ہے (جزیہ شریانی سلفی)

(جے جے مسلمہ کالج، لاہور) اگر کسی نے یہ کہہ دیا کہ مجھے یہ معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرض قرض قرار دیا ہے مگر مجھے یہ نہیں معلوم کہ یہ کبری یا کوئی دوسرا جانور بھی خیر ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا تو بھی وہ مومن ہے (د) اگر کسی نے یہ کہہ دیا کہ مجھے معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کعبہ کا حج فرض قرار دیا ہے مگر یہ نہیں معلوم کہ کعبہ کہاں ہے، شاید وہ جلاوطنانِ مکہ سے بھی وہ مومن ہے۔

ان کا مقصد ان باتوں سے یہ ہے کہ عقیدے میں اس طرح کی باتیں باور آئے ایمان ہیں، اس کا یہ قول ایک کے طور پر نہیں ہے، کیوں کہ کوئی ایک عقیدہ نہیں اس بات میں یکجہی نہیں ایک شخص کو سکتا ہے کہ کہہ سکتے ہیں، ایمان ہی کی نظر پر اور مرکزی کا فرق بھی ظاہر ہے، ملاحظہ (الحلل والتحلیل) ج ۱ ص ۱۳۹ (۱۳۱۲)

[illegible][illegible][illegible]

ایسی جگہ پر علامہ کو کھڑی ہو گئے اور انھوں نے کارواں بجالا دیا مگر جس میں امامیہ کی طرف مروجی ہونے کی نسبت کی گئی تھی، اس کے بعد امام اہل حق پر عین حق کی طرف مٹوبہ اور با حقائق کی طرف مٹوبہ کیا کہ امام اہل حق پر عین حق اور ان کے صاحب کا موقف ہے حاکم مومن کا عاصی ابدی جہنم کا حقیقی نہیں ہے اس لیے ان کے مخالفین نے ان کی طرف اور با حقائق کی نسبت کر دی اور خود دشمنی ظہری کی بات کی حمایت کر دی، ان کا مقصد اہل حق پر عین حق کی تحقیق اور حقیقی اہل حق پر عین حق کے قریب کرنا تھا (ادب الخلیفہ ص ۸۷)

آگے امام اعظم ابوحنیفہ کے ساتھ جھگڑا کیا جانے لگے کہ بعد کے جیسے ہیں کہ جس اور جا کے ملاقات کرتے ہیں وہ سنت کے علاوہ کچھ بھی نہیں اس کے خلاف نظریہ کے گاؤہ اور تصدیق یا بعد خدا نہیں اس معجزیوں کی حمایت کرنے والا امام کیا ہے گا، اس کی وجہ سے کہ ابوحنیفہ اور ان کے بعد کے زمانے میں ایسے نیک لوگ بھی تھے جن کے اس عقیدے تھا کہ ایمان بقول اللہ کے مجموعے کا نام ہے اور جو یہ سمجھتا کہ ایمان صرف عقیدے کا نام ہے ان پر وہ لوگ مہربان کا طریقہ اختیار کرتے تھے جب کہ حق ان آفریدہ کر لوگوں کے ساتھ یہ ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، ولسما يدخل الایمان فی قلوبہم اور تم شیعوں کا ایمان ہے الایمان ان تؤمن بالله وعلیہ کتبہ وکعبہ ورسلہ والیوم الآخر وتؤمن بالقدر خیرہ وشرہ والیہ احکامات مسلمہ ہے ان عمر سے روایت کی ہے اور یہی مہر ہے ان سنت کا نظریہ بھی ہے، ایمان یہ ہے کہ اعتقاد ہی فرشتے، قبور، رسولان، عقائم، امامت اور بقول حق کی اچھا دینی تعلیم کی جائے صالحین کے اس نظریے میں معجز یا خدا نہیں ہماری موافقت نظر کرتی ہے یہ اور بات ہے کہ وہ اس نظریے کے خلاف عقیدہ رکھتے اور ان کو بدعتی اور گمراہ سمجھتے کیوں کہ کلمہ کو ایمان کا ذکر کھینچے ہے لازم آگے گا کہ کوئی مؤمن شخص گمراہ کا خطاب نہ دے گا اس سے اس کا ایمان ختم ہو جائے، گمراہ کا شخص اپنے اس برے اعمال کی وجہ سے ایمان سے خارج ہو کر کفر میں داخل ہوجائے گا جیسا کہ نبیوں کا نظریہ ہے، یہ کفر میں داخل نہیں ہوگا بلکہ گمراہ ایمان کے درمیان ہے گا اور یہ معجز کا نظریہ ہے۔ یہ صالحین خارجی معجز یا فرائض کے سخت مخالف ہیں اور اس سے اپنی برأت کا اظہار کرتے رہیں (جسے (تشیع کا سٹے))

الہاد و غیرہ۔ لایسرہ یوں میں آج ان کتابوں کا نام و نشان تک نہیں۔ اسلام قبول کرنے سے پہلے منگو یوں اور چنگیز یوں کا ظلم و ستم تو بھلا یا نہیں جا سکتا، جن کی وجہ سے مشرقی اسلامی ممالک میں (یعنی چنگیز کے عاصی) گرد و اہو بیض اور ان کے اصحاب کے نظریات سے بھی برأت کا اعلان کر دیں تو ان کے کام کا کوئی معنی و نتیجہ باقی نہیں رہے گا۔ یا پھر یہ ہے کہ مل کو مل ایمان کا سبب تسلیم کریں، اس صورت میں ہجر کی کوایا لقب دیا جس سے اس کی گرائی تصور ہوتی ہوئے معنی ہے ہجرین کا اپنے نظریات کی حمایت میں اس قدر سخت موقف اپنانا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ قتل و غارت گری کا سبب نہیں بلکہ ایمان کا ایک جزو اصل رکھتے ہیں اور اس کا نتیجہ کیا نکل سکتا ہے آپ کو پتہ ہے ہیں۔ گریب بات تو یہ ہے کہ بعض ایسے علما جن کا شمار ائمہ اربعین میں کیا جاتا ہے ہول پڑے کہ ان کے اہل اس کتاب میں اس شخص کی روایت کو چھٹیں دس گاویاں ان کو قتل و قتل کا مجموعہ نہیں سمجھتا ہو اور اس میں کی زیادتی کا قائل نہ ہو، جب کہ دوسری طرف عالم خارجوں اور ان کے اصحاب سے بے دروغی روایت لیتے ہیں، انہیں اس بات کا ابھی طرح علم بھی ہے کہ حدیث "ایمان قول و عمل کے مجموعے کا نام ہے اور اس میں کی زیادتی ہوتی ہے" فقہ کے نزدیک ثابت نہیں ہے یعنی اس میں ضعف ہے۔ یہاں تک کہ انہیں انہیں کا کچھ بھی پتہ نہیں کی باتوں کی طرف توجہ کرنا ہے معنی ہے۔ وہ ان کی روشنی میں یہ مسئلہ بالکل واضح ہو گیا ہے کہ مل ایمان کا اصل رکھنا نہیں بلکہ ایمان سے مؤخر ہے، مہمور صحابہ اور اہل سنت کے تمام علما جو خارج اور معتزل کی آراء سے اختلاف رکھتے ہیں ان کی یہی صوفیہ ہے اور یہی سنت بھی۔ ہاں یہ کہا کہ ایمان کے ساتھ معصیت کچھ ضرر رساں نہیں، ضرر اور ہار اور ہمت و خلافت ہے۔ ہمارے اصحاب اس گمراہی سے ایسے ہی بری ہیں جیسے جھیل یا حضرت یوسف علیہ السلام کے غلوں سے بری ہے۔ اگر ایمان سے متعلق اہو بیض کی جو جمع بحثیں ہوتی تو معصوم مسلمانوں کی بڑی تعداد ایمان سے صرف اس لیے خارج ہو جاتی کہ کسی نہ کسی ان سے معصیت کا صدور ہوا ہے (ذیل الخطبہ ص ۱۲۸)

مرجیہ سے متعلق مؤلف کی اپنی ذرا درست گفتگو کے بعد اب کسی اور توجہ و تاویل کی ضرورت نہیں ہے تاہم یہاں شریعتی کا قول بھی اس نظر سے لے کر کرنا مشکل موضوع کی حیثیت رکھتا ہے کہ وہ مسکوٹری سے صدر ہیں جن کی علانیہ امام اعظم اہو بیض کو گواہ فرما کر مرجیہ سے الگ سمجھا ہے اور محدثین کی ایک جماعت جو امام کو گواہ کرے گا یا نہیں سمجھتی کی توجہ کر کے یہ بتایا ہے کہ امام اعظم اہو بیض جس امر کا قائل ہیں وہ اصل سنت ہے، مگر وہ فرماتے ہیں کہ یہ جو شخص نہیں، العلل والحدل میں ہے کہ گریب بات یہ ہے کہ فرسان اہو بیض کے حوالے سے اپنا مذہب بیان کرتا تھا اور انہیں مرجیہ سمجھتا تھا یہ بالکل ان پر مجبور ہوتا ہے۔ اسی طرح اہو بیض اور ان کے اصحاب کو "مرجیہ السنۃ" سمجھا جاتا تھا اور بہت سارے اصحاب عقائد نے انہیں مرجیہ کی جماعت میں شمار کیا ہے۔ تاہم اس کی وجہ یہ ہے کہ امام اہو بیض نے جب یہ کہا کہ قصد اپنی بھی کام ایمان ہے اور اس میں کچھ کی زیادتی نہیں ہوتی ہے، ان کے مخالفین نے یہ سمجھا کہ وہ مل کو ایمان سے مؤخر بھی ہیں، مل سے متعلق خدا کی نجات ہے تو وہ مل کو اپنی نجات کیسے دے سکتے ہیں؟ اس کی ایک دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ وہ صدر مل کے معتزل کی ذرا درست مخالفت کرتے تھے، مسئلہ فرقہ میں جو بھی معتزل کی مخالفت کرتا تھا اس کو دوسری جماعت کہتے تھے، ایسا ہی خداوند جان کا یہی فرقہ بھی سمجھتا تھا، لہذا کچھ گریب نہیں کہ امام اہو بیض پر یہ لقب معتزل اور منافقین کی سازش کا نتیجہ ہو۔ (ملحد) (الحدل والحدل ص ۱۳۰)

موجودہ اکثر بڑی بڑی کتابوں سے ہم محروم ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ غلط کو سلف کے تراش کا بدل عطا فرمائے۔ جو ہمارے سامنے موجود ہے وہ بھی کافی ہے، اس میں ہدایت اور تبلیغ کی باتیں بھری ہیں، یہ ہمارے کام کی اس وقت ہوں گی جب ہم ان سب پر عمل کریں اور ان کی ہدایت کو قبول کریں۔ جو ہدایت طلب کرتا ہے اللہ سے ہدایت عطا فرمائے۔

قرآن اللہ کا کلام ہے، جو شخص اس بارے میں کیسے اور کیوں کرے اور محاذِ اہل و مناقشہ میں الجھے گویا اس نے اپنے اوپر قید خانے کو واجب کر لیا اور

(بزرگھٹکے کے ساتھ) یہ کہتا ہے کہ ایک گروہ کو اس کی قیادہ پر چھوڑ کر جاننا گناہ نامعلوم ہی کے اہتاف کے علاوہ علماء کے بارے میں یہ کیا ہے کہ ان کی ہر حرکت روایت ہے اور وہ تمام روایتیں قابل احتجاج بھی ہیں، اس حقیقت کو جاننے کے لئے علامہ زرقانی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ علامہ زرقانی نے ان تمام روایتوں کا یکے بعد دیگرے مطالعہ کیا ہے اور اہتاف کے خلاف جو روایتیں ہیں، نامعلوم ہی کے برخلاف ان سب کو قابل احتجاج قرار دیا ہے، علامہ زرقانی نے حدیث پر کام کرنے سے پہلے اسی مطہر کا ذکر کو تفصیل کے ساتھ کیا ہے جیسا کہ علامہ زرقانی نے ذکر کیا ہے اس کے بعد لکھتے ہیں کہ ان مہاس کی حدیث کے دو جواب ہیں۔ اول: یہ حدیث معلل بالا افتقار ہے، ترمذی نے نقل کیر میں کھسا ہے کہ میں نے اس حدیث کے بارے میں بھی تحقیق نام نہادی ہے، پوچھا تو انہوں نے فرمایا: عمر و بن عبدالعزیز نے ان مہاس سے نہیں سنا ہے۔ زرقانی کہتے ہیں کہ عمر و بن عبدالعزیز ان مہاس سے عدم علم ہی کی دلیل ہے، پتے کے لئے خود زرقانی نے اس طرح روایت کیا: حسن عبد اللہ بن محمد بن ابی ربيعة، حدثنا محمد بن مسلم، عن عمرو بن دينار، عن طاؤس عن ابن عباس ان السبي ^{معلل} و زرقانی نے کہا کہ عمر عبدالعزیز نے یہ مخالفت کی اور طاؤس کا ذکر کیر میں کیا، بعض محدثین نے سند میں جاریہ مذکر کا اضافہ کر لیا ہے، اور اس کی روایتیں معلول غیور کی روایتوں سے معلل اور غیر قابل احتجاج نہیں ہوتی۔

طحاوی نے کہا کہ مجھے نہیں معلوم کہ کیر میں سعد بن عمرو بن عبدالعزیز سے کچھ روایت کیا ہے۔ زرقانی کہتے ہیں کہ اس قیادہ پر اس حدیث میں ^{معلل} و افتقار کا باعث ہواں گے۔

[illegible]

علم کلام کے بعض اختلافی مسائل میں امام ابو یوسف کی رائے

حکام الہی مخلوق ہے یا نہیں؟ یہ اس زمانے کا ایک سنگنا ہوا مسئلہ تھا۔ اسی مسئلے پر امام احمد بن حنبل کو کوڑے لگے گئے اور متعدد علماء و محدثین پر سختیاں کی گئیں۔ امام ابو یوسف نے بھی اس مسئلے پر اپنی رائے کا اظہار کیا ہے، معتبر سند سے ان کی رائے کو ملاحظہ کیجیے۔ مقرر

ابن ابی حوام نے (ابواسطی محمد بن احمد بن حماد بن محمد بن شجاع عن عمن بن ابی مالک) کہ روایت کی کہ انہوں نے ابو یوسف کو کہتے ہوئے سنا کہ:

[illegible]

ڈنچی کر دینے والے کوڑے بھی اپنے اوپر واجب کر لیے۔

اسی سند سے ابن عوام نے بیان کیا کہ:

ابو یوسف کا کہنا تھا کہ جس نے "کلام" سے متعلق کچھ بھی کہا وہ کبھی بھی کامیاب نہیں ہوگا وہ کہا کرتے تھے کہ یہ بات تم لوگ مجھ سے یاد کر لو۔ اور کہا کرتے تھے کہ اگر تمہیں اس بات پر قادر ہو سکتا کہ جو کچھ میرے پاس

(بقیہ کچھ ملے گا) میں ان کا ضرور ہے کہ انہوں نے اپنے مذہب کے خلاف ضرور روایت کی ہے اور کیا ایک باعث ضمن ہے اس کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں۔

جریر بن عازم (جرحہ ہیں) نے ایک حدیث میں میں بن سعد بن عمرو بن دینار بن سعید بن جبیر بن ابن مہاس کے حوالے سے روایت کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس نے عمرو بن دینار سے ایک شاہد اور حمزہ والی حدیث روایت کی ہے، قیس اس روایت کی متابعت محمد بن مسلم عالمی نے کی۔ اس کی ایک دوسری سند بھی امام شافعی کے حوالے سے اس طرح ہے۔ حدیث ابو نعیم بن محمد اسلمی، عن ربیعہ بن عثمان، عن عطاء بن عبد الرحمن، عن ابن عباس۔ دوم اس حدیث کو اگر کتب میں لایا جائے تو بھی اس سے عام حکم ثابت ہوگا، مگر امام الدین نے کہا کہ یہاں کرام اگر اس طرح کہیں کہ یہ حدیث سے فلاں چیز سے منع فرمایا اور فلاں چیز کو فیصلہ کیا تو اس سے شوم نہ ہوگی ہوگا، کیوں کہ اس طرح کی حکایت جس چیز کے لیے کی جا رہی ہے اس کے لیے جہت ہوئی اور جس چیز کی حکایت کی جا رہی ہے وہ عام بھی ہو سکتی ہے، اس کے علاوہ یہ بھی ہے کہ فلاں کے تلف معنی ہیں، اس مقام کے اعتبار سے سب سے زیادہ مناسب اور قریب بات یہ ہے کہ اس میں نزاع کو فیصلہ کیا گیا ہے اور اس سے قطعاً ممکن ہو جاتی ہے کہ اس سے یہ بات قطعاً ممکن نہیں آتی کہ اس قیاس سے ایک شاہد کی بنیاد پر فیصلہ کیا جائے گا بلکہ ایک خاص شاہد کے ساتھ یہ فیصلہ ہوگا، اس بنیاد پر جرحی یہ ہوگا کہ راوی نے قرینہ عادیہ پر اصرار کیا ہے یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ایک گواہ اور حمزہ کے ساتھ فیصلے والی حدیث میں حقیقت میں حراہ ہے جس کا استغناء فرماؤں اور حدیث کا معنی یہ ہوگا کہ حدیث سے منع فرمایا اور جس میں کتب میں فیصلہ کیا ہے۔ (مطہا، نصب الرایۃ ج ۳ ص ۹۸، ۹۹)

الحاکم امام مالک اور شافعی کی متصل حدیث جو کتب مسلم میں موجود ہے اس میں بڑی بڑی دو قطعہ بھی نامیں تو ایک قطعہ سے انکار نہیں کیا جا سکتا، لہذا یہ حدیث ضعیف ہوگی اور اس سے استدلال درست نہیں ہوگا۔ اس کا ایک جواب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حدیث میں عرب سے جیسا کہ ابن ہمام نے تصریح کی ہے اور احناف کی حدیث میں بھی ہے بلکہ جرحی متواتر ہے اس لیے اگر کتب مسلم کی حدیث کا اعتبار کیا جائے تو قریب ہونے کی وجہ سے مسترد ہو جائے گی اور شیعہ کو اس پر ترجیح ہوگی۔ وادھ تعالیٰ اعلم

(۱۳) حدیث ترمذی میں اس طرح ہے: عن عبد العزیز بن محمد دراوردی، عن ربیعہ بن ابی عبد الرحمن، عن مسہیل بن ابی صالح عن ابیہ ان ابی ہریرہ قال قال النبی ﷺ قضی بالبین مع الشاهد۔ (جامع الترمذی ج ۳ ص ۶۳، حدیث نمبر ۱۳۳۲)

(ترجمہ: نبی ﷺ نے ایک گواہ اور حمزہ کے ساتھ فیصلہ کیا) امام ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث عرب اور حسن ہے۔

ہے اور جو کچھ میرے دل میں ہے اس میں تم سب کو شریک کر سکو تو ضرور کرتا وہ بڑے ناسمجھے نہیں ہے "کلام" سے متعلق انہیں کبھی بھی کسی رخصت کو قبول کرتے نہیں دیکھا، وہ ہمیں اس میں رخصت کو قبول کرنے سے سختی سے منع کرتے تھے۔

ابن عوام نے اسی سند سے ابن شجاع کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

میں نے حسن بن ابی مالک سے کہا کہ میں تم سے یہ روایت کرتا ہوں کہ ابو یوسف کا یہ خیال تھا کہ جو شخص قرآن کے بارے میں اس سے زیادہ کچھ کہے کہ وہ "کلام اللہ" ہے اس کی سزا چلائی ہے۔ پھر کہا ہاں تم یہ بات میرے حوالے سے بیان کر سکتے ہو کہ ابو یوسف کو نہیں لگتا کہ جو قرآن کے بارے میں "کلام الہی" سے زیادہ کچھ پوچھے وہ سزا کا مستحق ہوگا۔ ابن شجاع کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا اے ابویعلیٰ آپ اس مسئلے میں ابو یوسف سے موافقت رکھتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں ان کے تمام اقوال کی مخالفت تو کر سکتا ہوں مگر اس قول کی مخالفت نہیں کر سکتا، جس شخص کو اس مسئلے پر سوال و جواب کرتا دیکھو اس کا مطلب ہے کہ اس میں برائی ہے، اس کا یہ سوال اسے جوابی کی طرف نہیں لے جا سکے گا۔

مزید کہتے ہیں کہ میں نے محمد بن شجاع کو کہتے ہوئے سنا کہ انہوں نے حسن بن مالک اور بشر بن ولید کو کہتے ہوئے سنا کہ ایک شخص نے بیان کیا کہ ابو یوسف کہتے ہیں کہ قرآن مخلوق ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ہم ابو یوسف کے پاس آئے اور کہا کہ ہم لوگ تو آپ کے خاص لوگوں میں سے ہیں، آپ ہمارے علاوہ لوگوں سے کچھ بیان کرتے ہیں اور ہمیں اس سے منع کرتے ہیں؟ ابو یوسف نے پوچھا وہ کیا ہے؟ اس شخص نے جو کچھ کہا تھا ہم نے بتا دیا۔ ابو یوسف نے کہا بڑا پیلا ہے جان کیا چاہتا ہے کہ ابو یوسف کی حضرت علی اور ابی ہریرہ کا فیصلہ قرآن کی حدیث پر گہری نظر کسی نے انہوں نے اپنے مقابل سے حضرت علی کی قطعاً دلیل میں پیش کرنے سے انکار کیا۔ (متکلف)

(۶۵) مسامحہ جری حدیث امام بخاری نے حضرت عمر کے حوالے سے اس طرح روایت کی ہے: ان عمر بن الخطاب اصحاب ارضاء بخیر فانی النبی ﷺ یستلمہ فہما قال یا رسول اللہ ﷺ انی احببت ارضاء بخیر ثم اصعب صلا فقل انفس عندی منہ فما تلزمہ قال ان شئت حبست اصلہا وتصدقت بہا، قال فصدق بہا عمر انہ لا یباع ولا یوہب ولا یورث، وتصدق بہا فی الفقراء ولی الفقراء ولی الرقاب ولی سبیل اللہ وامن السبیل والضعیف، لا جناح علی من ولیہا ان یاکل منها (بقیہ ملے گئے ہیں)

نادانوا! یہ لوگ اللہ پر جھوٹا الزام لگاتے ہیں تو ہم پر کیسے نہیں لگائیں گے؟ پھر کہا بدعتی لوگ اپنی باتیں بیان کرتے ہیں اور لوگوں پر تہمت لگاتے ہیں۔

طحاوی نے کہا کہ یحییٰ بن عثمان نے ابراہیم بن معبد کے حوالے سے مجھ سے بیان کیا کہ ابو یوسف نے اپنے ایک بیٹے کو تینتیس کوڑے اس بات پر لگائے کہ وہ جہیہ (۵۲) کی طرح رانے رکھتا تھا، پھر کہا کہ اگر وہ ان کا بیٹا نہ ہوتا تو ممکن ہے اس سے زیادہ کوڑے لگاتے۔

طحاوی نے بواسطہ علی بن عبد الرحمن بن مغیرہ و عن سعید بن وہیب بیان کیا، انہوں نے امیر اہلیم بن جراح کو کہتے ہوئے سنا کہ ہم ابو یوسف کے پاس تھے اور ہمارے ساتھ بشر بھی تھے اور مجلس میں ہمارے ساتھ ابو یوسف کے صاحبزادے یوسف بھی تھے جنہوں نے بے اذوق برق

(پیر پچھلے مئی کا مہینہ کہ المعروف مضمحل، قال لحدیث میں سے یہی مسائل مالا۔ (مکمل ہفت روزہ) ۲۴ جون ۱۹۸۲ء، حدیث نمبر ۲۵۸۱، ص ۲۳، ۱۹۵۵ء، حدیث نمبر ۱۹۲۲) ان میں سے کئی جہاں حضرت عمرؓ کے تعلق سے مذکور ہیں۔

مستطحق بن امام اعظم امام ابو حنیفہ کا نظریہ بختی کی تخریف امام کے نزدیک ہے کہ اصل بیچ کو بخت کر کے والے کی ملک ہے پر اگر رکھنا اور اس کی منفعت کو عمارت یا عمارت کو رکھنا۔ بخت کی تخریف ابو حنیفہ کے نزدیک ہے کہ اصل حقیقی کوالتائی کی ملک ہے پر اگر رکھنا اور اس کی منفعت کو بندوں پر محدود کرنا، کیا امام ابو حنیفہ کی تخریف بھی ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہ کی تخریف کے چلن نظر بخت کر کے والا اپنی موجودگی کا جادو اپنیں لے سکتا ہے اور اسے بھی بچ سکتا ہے اور صالحین کی تخریف کے چلن نظر بخت کر کے اپنی حقانیت کو اپنی موجودگی کا جادو کہہ سکتے ہیں، یہ کہ اسے اور دولت میں غلبہ کر کے دین اور دلیل کیلئے حد سے عرض کرنا اللہ تعالیٰ سے ہے۔ مطلقاً (الہدایہ، ج ۳، ص ۱۳)

[illegible]

لباس پہن رکھا تھا، انہوں نے کسی مسئلے میں بات کی تو ابو یوسف نے یوسف سے کہا تمہیں ان باتوں سے کیا مطلب؟ تم اپنے کھیل میں مگن رہو۔

ابو بکر خضاف احمد بن عمرو ابن مسہر نے اپنے والد کے حوالے سے بیان کیا کہ انہوں نے حسن کو کہتے ہوئے سنا کہ ابو یوسف نے کہا ”کلام سے متعلق سب سے بڑا عالم اللہ کے بارے میں سب سے بڑا جاہل ہوتا ہے۔“

طحاوی نے ابن ابی عمران (عن بشر بن ولید) کے حوالے سے بیان کیا کہ میں نے ابو یوسف کو کہتے ہوئے سنا کہ:

جو غیر مانوس حدیث کی جستجو میں پڑا وہ جھوٹا ہے، جو علم کی سیر کے ذریعے سے مال کا خواہش مند ہوگا وہ مفلس ہو جائے گا، اور جو شخص "علم" کلام کے ذریعے حاصل کرے گا وہ زندیق ہو جائے گا۔ (۵۷)

ابراہیم بن حنید نے علی بن جعد کے حوالے سے بیان کیا کہ:

ابو یوسف سے کسی شخص نے کچھ پوچھا کہ اے ابو یوسف لوگ کہتے ہیں کہ آپ ایسے شخص کی گواہی جائز قرار دیتے ہیں جو کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز کو اس کے وجود سے پہلے نہیں جانتا؟ جواب دیا افسوس میں تو ایسے شخص کو قہراً واجب کرتا ہوں، اگر کوئی نہ کرے تو میں اسے قتل کروں۔

اسد بن فرات نے ابو یوسف کے حوالے سے بیان کیا کہ انہوں نے فرمایا:

دین کے بارے میں خصوصیت، جدال اور بحث چھوڑ دو، دین واضح اور ظاہر

ہے، اللہ تعالیٰ نے فرائض فرض کیے ہیں، قوانین نافذ کیے، اس کی حدود

[illegible]

بیان کر دی ہیں، طہال و حرام کا بیان بھی کر دیا ہے، اور فرمایا: الیہ—ووم
اکملت لکم دینکم وانتم علیکم نعمتی ورحمت لکم
الاسلام دینا ﴿المائدہ: ۳﴾ (ترجمہ: آج میں نے تمہارے لیے
تمہارے دین کو مکمل کر دیا، اپنی نعمت کا اتمام کر دیا اور تمہارے لیے دین
اسلام سے راضی ہو گیا) جو قرآن میں طہال ہے اس کو طہال سمجھو، جو حرام
ہے اس کو حرام سمجھو، تم قرآن کے مطابق عمل کرو، اس کے متضاد پر ایمان
لاؤ، اس میں بیان کر دہ مسائلوں سے عبرت حاصل کرو، اگر دین کے بارے
میں بحث و مباحثہ اور خصومت تلوٹی کی ملامت ہوئی تو سب سے پہلے نبی
اکرم ﷺ اور ان کے بعد صحابہ کرام سے بحث و مباحثہ ماثور ہوتا۔ ان
لوگوں نے دین سے متعلق کسی طرح کا جدال نہیں کیا اور نہ ہی اس کے
مسائل میں اچھے، ہاں انہوں نے فقہی مباحثے میں بڑھ چڑھ کر حصہ
لیا، برفائض، نماز، حج، طہال و حرام میں اختلاف کیا، دین میں کوئی
اختلاف نہیں کیا اور نہ ہی اس کے مسائل میں اچھے، خوف الہی اور اطاعت
ربانی پر قائم رہے، سنت پر چلتے سے عمل کرتے رہے، یہی ان کے لیے
کافی تھا، سننے والوں نے دین میں بحث و مباحثہ اور خصومت کی جو طرح
ڈالی ہے اس کو چھوڑ دو، کیوں کہ سنت پر پابندی سے عمل کرنے میں ہی

(۶۷) حدیث مطرب: ایک حدیث ہے جس میں قول روایت کیا گیا کہ تم میں سے جو شخص سوچو ہوئے کے ساتھ ساتھ تھام کر عرض بھی
ایسا کیا جائے کہ تیرے جیروں کو بلایا کچھ بھی ممکن نہ ہو۔ اخطراب سند اور دونوں میں ہوتا، جس راوی کی یہ حدیث
ہوتی ہے اس کو مطرب اللہ سے کہتے ہیں، اخطراب حدیث ضعیف کی قسموں میں شمار کیا جاتا ہے کیوں کہ راوی میں ضہابی
کی کی وجہ سے یہ ظن پیدا ہوتا ہے اور ضہابی کی تکلیف کی شرط ہے۔

(۶۸) طہال و حرام: ایک حدیث ہے جس میں محدث اپنے سے اوپر والے راوی کا نام لے کر بغیر اس طرح کہے کہ بلغی یا بلغہ
یعنی مجھے اسے پہنچائی، بعض محدث طہال و حرام کا ذکر کیا ہے کہ وہ ایک قبیل سے تھے جس میں جب کہ کھڑے کے نزدیک دونوں میں
فرق ہے۔ محدثین کی ایک جماعت نے طہال و حرام کا شافعیہ محدثوں میں کیا ہے اور ایک دوسری جماعت نے بعض شرطوں
کے ساتھ کچھ کی قسموں میں شمار کرنے کی کوشش کی ہے۔ سو طہال و حرام ہاگ میں اس طرح کی کئی روایتیں ہیں، ابن عبد البر نے
موطا میں نام ہاگ سے مروی کئی ۱۱ طہال و حرام اصل کا ذکر کیا ہے۔ وہ طہال و حرام علیہم (السنن ج ۳ ص ۱۶۱)

حفاظت ہے، جو لوگ اس پر عمل کرتے رہے اللہ کے حکم سے وہی لوگ
بچنے سے محفوظ رہیں گے، جو لوگ سنت پر عمل کرتے رہے انہیں اچھی
طرح پتہ ہے کہ اس کے خلاف چلنا غلط ہے اور اس میں سلاحتی بھی نہیں،
اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ارشاد فرمایا: واذأیت الذین یخوضون
فی آیتنا فاعرض عنہم حتی یخوضوا فی حدیث غیرہ
﴿الانعام: ۶۸﴾ (ترجمہ: اے نبی جب آپ ان لوگوں کو دیکھیں جو
ہماری آیتوں کی نکتہ چینیوں میں پڑتے ہیں تو آپ ان سے اعراض
کریں، جب تک کہ وہ کسی اور بات میں نہ لگیں) اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو
قرآن میں بدل اور جتوں کا بیان فرماتا، لیکن اس نے ایسا نہیں کیا اور ایسا
کرنے والوں کو منع بھی کیا۔ قرآن میں ہے: ولا تقعدوا معہم حتی
یسخوضوا فی حدیث غیرہ انکم اذا مثلہم
﴿الاسراء: ۱۲﴾ (ترجمہ: ان کے ساتھ نہ بیٹھو، جب تک وہ اسکی باتیں
چھوڑ کر دوسری باتوں میں نہ لگ جائیں، ورنہ تم بھی انہیں کی طرح
ہو جاؤ گے) اور فرمایا: فان حاجوک فقل اسلمت وجہی للہ
ومن السبع ﴿آل عمران: ۲۰﴾ (ترجمہ: اگر وہ آپ سے جھگڑیں تو
آپ ان سے کہہ دیں کہ میں نے اور میرے ماننے والوں نے اپنا منہ اللہ
کے سامنے جھکا دیا ہے) اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا ”حاجہم“ کہ میری
آپ بھی ان سے خاصہ کیجیے۔

ابراہیم بن حنینہ نے علی بن جعد کے حوالے سے بیان کیا کہ:

ابو یوسف سے ایک شخص نے کہا کہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کلام میں
تاویل کر کے اصحاب رسول ﷺ کو گالی دے تو آپ اس کی کوئی گال کا جواب

نہ دے گا یہ عمارت شافعیہ محمد حری نے اہل الجاہلیم کی لائبریری (جو اسکندریہ میں واقع ہے) میں منظر سے نقل
کے دی ہے۔ اللہ ان کو اپنے حفظ و ایمان میں رکھے اور جزائے خیر عطا فرمائے۔ (مؤلف)

کہتے ہیں؟ جواب دیا، افسوس! میں تو ایسے شخص کو قید کرنے اور اسے مارنے کا حکم دیتا ہوں یہاں تک کہ وہ توبہ کر لے۔

ان رواہوں میں سے ایک یہ ہے جس کو ابن ابی عوام نے اپنی کتاب میں سند کے ساتھ ذکر کیا اور عثمان بن حکیم سے مروی ہے کہ:

ایک ذہنی ریشہ کے پاس لایا گیا، انہوں نے ابو یوسف کو پایا تا کہ وہ اس سے بات کریں، ریشہ نے کہا: اس سے مناظرہ کرو، ابو یوسف نے کہا امیر المومنین کو وار دیکھائیں اور اس پر اسلام پیش کریں، اگر اسلام قبول کر لیتا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ اس کی گردن ازادی جائے، ایسے شخص سے مناظرہ نہیں کیا جاتا، یہ طعنے ہو گیا ہے۔

اس واقعہ کا ذکر تاریخ خلیفہ اور موفق کی مناقب میں بھی ہے۔ (۵۸)
 ذہبی نے اپنے جزم میں بواسطی بن جعد ابو یوسف کے حوالے سے ذکر کیا کہ انہوں نے کہا کہ:
 جس شخص نے کہا میرا ایمان جبریل کے ایمان کی طرح ہے وہ بدعتی ہے۔ (۵۹)

قاضی وکیع نے بواسطہ یمن اشکاب (عن ابیہ، عن ابی ہاشم بن ضاحج) ابی یوسف سے روایت

(۶۰) تھیں: سند حدیث میں موجود یہ کہ پچھا کر ظاہر کو سنو اگر چہ میں نے کہا کہ نام تہمیس ہے۔ اس کی دو تہمیس ہیں، تہمیس اللہ تبارک و تعالیٰ اشیرج۔

تہمیس اللہ تبارک و تعالیٰ کی ایک حدیث کو اپنے معاصر سے روایت کرے جس کی اس معاصر سے اسے حاصل نہیں کر لقا ایسا استعمال کرے جس سے اس کا وہم ہو حدیث تہمیس کے حکم سے متعلق مدین کا نظریہ یہ ہے کہ اگر تہمیس ایسے الفاظ کا استعمال کرے جس سے اتصال کا احال ہوتا اگر وہ تہمیس کو اس کی روایت متقبل اور قابل احتجاج ہوگی، اور اگر اتصال سمجھ میں نہ آئے تو اس کی روایت منقطع بھی جائے گی اور قابل احتجاج نہیں ہوگی۔

تہمیس اشیرج: راوی اپنے شیخ کا ایسا نام یا صفت یا کنیت، یا شیخ سے متعلق ایسی نسبت بیان کرے جو مشہور نہ ہو اس قسم کی بعض روایتیں کر رہے ہیں اور بعض حرام ہیں۔

صحت: ایسی حدیث ہے جس میں راوی من لہاں من لہاں کے ذریعے حدیث بیان کرے۔ یہ حدیث بعض شرطوں کے ساتھ منقول بھی جاتی ہے۔ اتصال کی پہلی شرط یہ ہے کہ راوی کی حدیث روایت کر رہا ہے وہ تہمیس سے محفوظ ہو۔

اتصال کی دوسری شرط یہ ہے کہ امام بخاری اور ابن ابی شیبہ کے مطابق راوی کی مروی حدیث سے ملاقات ممکن ہو۔

کیا کہ:

خراسان میں دو قسم کے ایسے لوگ ہیں کہ روئے زمین پر ان سے برا کوئی بھی نہیں یعنی مقاتلہ اور جہیمہ (جسمہ اور جہیمہ) (۶۰)

آپ نے دیکھا کہ ابو یوسف کس قدر سختی سے سنت پر عمل پیرا تھے اور بدعتیوں سے متعلق کس قدر سخت رویہ اپناتے تھے اس کے باوجود کچھ ایسے لوگ ہیں جو ان کی طرف بدعت کی نسبت کرنے سے خوف لگتی نہیں رکھتے وہ ان کی کراڑی سختی کرتے ہیں اور ان پر جہیم اور ارجا کا احترام لگاتے ہیں، (۶۱) اور ابو یوسف اس سب سے بری ہیں۔

جس راجا کی نسبت ابو یوسف کی طرف کی جاتی ہے وہ سنت کے علاوہ کچھ اور نہیں جس کا تفصیلی بیان میں نے اپنی کتاب مناقب العتیب میں کیا ہے، بلکہ جو لوگ جانتے ہیں انہیں اچھی طرح پتہ ہے کہ اس نظریے کے خلاف جو جاکے گا وہ خارجی یا معتزلی ہوگا۔ یہاں میں معتزلی (۶۲) جیسے بے عقل ناقد رجاں سے متعلق کوئی بات کرنا مناسب نہیں سمجھتا ہوں کیوں کہ میں نے اس سلسلے میں بلوغ الامانی، مناقب العتیب، مقدمۃ نصب الرایہ، اور تعلیقات جزء، ذہبی میں مفصل گفتگو کی ہے، لہذا یہاں اسی پر اکتفا مناسب ہے۔ اللہ تعالیٰ حق و صواب کی ہدایت عطا فرمائے۔

امام مالک سے امام ابو یوسف کی ملاقات

امام ابو یوسف جب رشید کے ساتھ حج کے لیے گئے تو اسی سال مدینہ پاک میں ان کی ملاقات امام مالک سے ہوئی۔ اس کا تذکرہ قاضی کوٹلی نے احیاء الفضاۃ میں، ابن ابی عمیر نے اپنی مذکورہ کتاب میں اور ابن عساکر نے کشف السنن میں کیا۔ مشہور ہے کہ ابو یوسف نے رشید کے ساتھ جب حج کیا تو ان سے پوچھا کیا خیال ہے اگر مالک کے ساتھ مسئلہ "ایک شاہد اور مدعی کی قسم" (۶۳) کی بنا پر فیصلے کے جواز پر (جیسا کہ اہل مدینہ کا مذہب ہے) متاثر ہو کر یا جائے؟ امام مالک کو جب اس کا علم ہوا تو انہوں نے انکار کر دیا اور اپنے اصحاب میں سے مغیرہ مخزومی یا عثمان بن کثانہ کو اپنا نائب بنایا۔ ابو یوسف نے گواہی سے متعلق آیت تلاوت کی اور کہا "دیکھتے نہیں اللہ تعالیٰ نے دو گواہ اور چار گواہ کا ذکر کیا ہے، نبی اکرم ﷺ سے صحیح طریقہ سے ثابت نہیں کہ آپ نے اس کے خلاف کوئی فیصلہ کیا ہو جس حدیث (۶۳) کا آپ حوالہ دے رہے ہیں اس کی بنیاد بتیل عن ابی صالح پر ہے، پھر بتیل سے بھول ہو گئی اور وہ حدیثی رعبہ عسی کے طریقے پر بیان کرنے لگے، جب بتیل سے غلطی ہو گئی تو حدیث باطل ہو گئی"۔ مغیرہ نے کہا "پھر رسول اکرم ﷺ اور حضرت علی نے ایسا فیصلہ کیوں کیا؟" ابو یوسف نے کہا "میں تم سے قرآن کی روشنی میں بات کر رہا ہوں اور تم لوگوں کے افعال سے بات کر رہے ہو؟ کیا خیال ہے فقہائے علیؑ اور ان کے علاوہ کی قضا کا علم تمہیں مجھ سے زیادہ ہے؟" مغیرہ نے کہا "آپ یہ بتائیے کہ اگر کسی نبی نے عین (قسم) اور ایک شاہد کی بنیاد پر فیصلہ کیا تو آپ اس پر ایمان لائیں گے یا انکار کریں گے؟" ابو یوسف خاموش ہو گئے۔

میں نے ابن عبد البر کی کتاب الاستفسار پر اپنے حاشیے میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے اس

طرح کے مناظر کے ساتھ ابو یوسف کے لیے خاموشی کے علاوہ کچھ اور راستہ بھی نہیں تھا۔ محمد بن حسن نے ہمارے اصحاب کے موقف پر اپنی کتاب لمعوط میں اس پر پھر پروردگار لکھ دیے ہیں۔ میں نے الشک الطریقہ میں اپنے اصحاب کے دلائل کا مکمل بیان کیا ہے، ساتھ ساتھ امام مالک کے پیروکار کاہل ملایا ایک جماعت کا بھی ذکر کیا ہے جنہوں نے اس مسئلے میں امام مالک کی مخالفت کی ہے۔ ابن ابی عمیر کی کتاب میں امام محمد کی یہ خواہش ہے کہ:

ہم سے بیان کیا ابن ابی عمر ان سے، ان سے علی بن صالح اور بشر بن ولید دونوں نے، وہ ابو یوسف سے روایت کرتے ہیں کہ ابو یوسف نے فرمایا کہ میں مدینہ آیا تو ایک معتد شخص میرے پاس "صالح" لے کر آیا اور کہا یہ نبی اکرم ﷺ کا صالح ہے، اس کی مقدار پانچ رطل اور ایک تہائی ہے۔ ابن ابی عمر ان سے کہا کہ جس شخص نے ابو یوسف کو صالح دکھایا تھا وہ مالک بن انس تھے۔

(۱) صحاح ۱۷ اقبال کا جونا مرچ پتہ لاہور: ۱۹۸۱ء

امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ سلطان محمود غزنوی غنی مذہب کا قاضی عالم حدیث میں بڑی مہارت تھی، مصباح سے حدیثیں سننا اور افسار کیا کرتا اس سے محسوس کیا کہ اگر حدیثیں امام شافعی کی توبہ ہیں، کچھ صحاح "مرد" میں تمام قاضی کو بیچ کیا اور ان سے کہا کہ شافعی اور غنی مذہب میں جو فرق ہے اس کا بیان کریں، فقہا کا اس بات پر اتفاق ہوا کہ سلطان کے سامنے وہ مذہب کے مطابق دو نماز ادا کریں، سلطان خود فیصلہ کر لے گا کہ کون سا مذہب راجح ہے، ابو یوسف قتل جو بیڑے عالم تھے انہوں نے پہلے شافعی طریقے سے نماز ادا کی، جس میں خوب بھر پور طہارت کا خیال رکھا، مزہ قبلہ، اور نماز کے دیگر ارکان مداخل امام شافعی کے مذہب کے مطابق پڑھنے کو شروع کر دیے۔ اب دوسری مرتبہ نماز پڑھی، یہ نماز امام ابو یوسف کے مذہب کے مطابق ہی نماز کے لیے تھیں ان کے لیے دعا و سنت کی ہوتی کمال کا لباس مذہب نہ تھا، لباس کا پانی چاقی کے بعد جاست ادا کیا، مجھ کی غیبت سے دعویٰ کریں کہ نماز کا زمانہ ان کے ہم پر مجھ اور ان کی بیٹھیں تھیں، جب کہ جن کو کیا، پھر اچھا کر گئیں کہ بعد ازاں قاضی میں اس طرح ادا کیا "دو برگ سبز" دروغ ایجاد اور کسی قاصد کے بغیر مرغ کی طرح زمین پر دو چٹائی دانی، اب پھر سلام کی نیت کے بعد کھڑے ہوئے اور نماز گری، نماز سے فارغ ہو کر کہا یہ ابو یوسف کی نماز ہے، سلطان نے کہا کہ اگر ابو یوسف کی نماز انہیں ہو گئی تو تمہاری نہیں تھی، یہ عقاب نے احتجاج کی کہ انہیں طلب نہیں، سلطان نے ایک بیوی کو کہہ کر بلایا جو دونوں مذہب پر حاضر تھا، انہیں لائی گئیں اور احتجاج کے لواذ کی تشریح ان طرح موجود تھی، سلطان نے غنی مذہب ترک کر دیا اور شافعی مذہب اپنایا (دوسری تاریخ اسلام ۴۰۷ء)

میں نے کتب مختلف طرف سے بیان کا دکھا ہے، مؤلف نے اس کتاب اور اپنی دیگر تصنیفات میں اس کا ذکر ہر جگہ کر دیا ہے اور اس کی کذب بیان واضح کر دی ہے۔

میں نے اس مسئلے پر احقاق الحق میں تفصیلی گفتگو کی ہے۔

مسئلہ وقف سے متعلق عماری نے عیسیٰ بن ابان سے حوالے سے بیان کیا کہ ابو یوسف جب کوڑے باندھا آئے تو اوقاف کی بیع سے متعلق ابو یوسف کے قول پر تھے یہاں تک کہ اسماعیل بن علیہ نے ”مباہم خیر“ کے صدقے سے متعلق حضرت عمر کا قول (۶۵) بواسطہ ابن عون (عن نافع عن ابن عمر) بیان کیا تو ابو یوسف نے کہا یہ ایسا قول ہے جس سے اختلاف نہیں کیا جاسکتا، مگر ابو حنیفہ تک یہ بات پختہ تو یہی قول کرتے اور اس کی مخالفت نہیں کرتے۔

طحاوی نے بکار بن حمید سے حوالے سے ذکر کیا کہ ابو یوسف ہارون الرشید کے ساتھ اپنے سفر حج میں بصرہ آئے، اس وقت تک وہ اوقاف کی بیع سے متعلق ابو یوسف کے مذہب پر تھے، بصرہ میں جب بھی کوئی اچھی زمین دیکھتے تو اس کے بارے میں پوچھتے، انہیں بتایا جاتا کہ یہ زمین عماری، رسول میں سے کسی نے وقف کی ہے اس سے ان کے دل میں کچھ خیال پیدا ہوا، مگر یہ سمجھتے تھے تو وہاں صحابہ کرام کے کچھ صدقات دیکھے، پھر جب باندھا آئے تو اوقاف کی بیع سے متعلق جو کچھ بھی ان کے دل میں تھا ختم ہو گیا۔

ابو یوسف نے موطا کا مطالعہ اس وقت کیا جب اسد بن فرات نے اپنے نئے کی اجازت انہیں منادنا دی (۶۶) محمد اس (منادے) کو ”خوشبوئے علم پر اکتفا“ سے تعبیر کرتے تھے۔ کیوں کہ ابو یوسف مالک کے پاس سفر کر کے نہیں گئے تھے جب کہ محمد سفر کر کے امام مالک کے پاس گئے جیسا کہ معروف ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ابو یوسف کو امام محمد کی طرح موطا کی ضرورت نہیں تھی، کیوں کہ ابو یوسف کی نگاہ احادیث و آثار پر گہری تھی۔

قاضی کو بیچ نے اعیان الفضائل میں بواسطہ محمد بن اسماعیل سنی طرف اہم سے روایت کیا کہ ہارون الرشید جب مدینے آئے تو ان کے ساتھ ابو یوسف بھی تھے، مالک بن انس کو بلا بھیجا کہ امیر المؤمنین چاہتے ہیں کہ آپ ان کے پاس آئیں، امام مالک نے لکھ کر جواب دیا کہ امیر المؤمنین میں تیار ہوں، مگر امیر المؤمنین کچھ چاہتے ہیں تو لکھ کر بتا سکتے ہیں، ہارون رشید ابھی کچھ لکھنا ہی چاہتے تھے کہ ابو یوسف نے کہا ”آپ کسی کو بھیج کر انہیں یہاں بلائیے“ ہارون نے بلا بھیجا، آپ ”دارمروان“ میں آئے، اپنے منصب کے اعتبار سے ہر شخص کے پیٹنے کا انتظام کیا گیا اور امام مالک کے لیے بھی پیٹنے کا انتظام کیا گیا۔ ابو یوسف نے ان سے پوچھا کیا خیال ہے آپ کا اس شخص کے

بارے میں جس نے یہ قسم کھائی کہ وہ کبھی نفل نہیں پڑے گا؟ امام مالک نے کہا ”اس کو مارا جائے گا، جہنم میں ڈال دیا جائے گا حتیٰ کہ وہ پڑھنا شروع کرے۔“ راوی کا بیان ہے کہ اسی اثنا میں ہارون آگئے، ابو یوسف نے کہا ”امیر المؤمنین میں نے مالک سے سزائیں مسئلے کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے ایسا جواب دیا“، ہارون نے پوچھا ابو عبد اللہ کیا آپ کی بیٹی راکے ہے؟ امام مالک نے کہا نہیں، ابو یوسف نے کہا آپ نے ابھی ابھی یہ فتویٰ نہیں دیا؟ امام مالک نے کہا ہاں، مگر ابو یوسف عراقی ہیں اگر میں نفل ترک کرنے کا فتویٰ دوں گا تو وہ فرض ترک کرنے کا فتویٰ دے دیں گے، جہاں تک آپ کی بات ہے تو مجھے اس کا کچھ خوف نہیں۔ جب مالک نکلے تو ابو یوسف بھی ان کے ساتھ نکلے، وہ بیماری کی وجہ سے ان کے کانہ سے کاسہا رے لیے ہوئے تھے۔ مالک کہتے رہے آپ واپس جائیں، آپ واپس جائیں، ابو یوسف ان کے ساتھ چلتے رہے یہاں تک کہ گھر پہنچ گئے۔

وکیع نے ابن محمد بن اسماعیل سلمیٰ اور محمد بن عباس کا کالی کے حوالے سے بواسطہ عبد العزیز بن عبد اللہ اویسی مالک سے روایت کیا کہ:

انہیں معلوم ہوا کہ ابو یوسف کے پاس کوئی شخص یہ مسئلہ پوچھنے آیا کہ میں نے قسم کھائی ہے کہ اگر میں جار یہ (باندی) خرید دوں تو میری بیوی کو طلاق۔ یہ میرے اوپر بڑا گراں گزورہا ہے کیوں کہ میں اپنی بیوی سے بڑی محبت کرتا ہوں اور میرے دل میں اس کے لیے بڑی جگہ ہے۔ ابو یوسف نے کہا شفقی خرید لو اسے بھی جار یہ کہتے ہیں۔

جس سے مالک کو یہ روایت پہنچی اس نے اس میں ضبط سے کام نہیں لیا کیوں کہ سوال اس بارے میں تھا کہ اگر کوئی شخص یہ قسم کھائے کہ اگر وہ جار یہ نہیں خریدے گا تو اسے حکم دیا کہ قسم کھاتے وقت جار یہ سے کشتی کی نیت کر لے۔ ان روایات میں سبھی آئے ہیں ابن عدی کے مطابق یہ مالک اور ان کے علاوہ سے باطل روایتیں کرتے ہیں، یحییٰ مطرفی مصنف طسارب السحدت ہیں (۶۷) اور سلمیٰ پر محمد شین نے نکاح کیا ہے، جیسا کہ نقد ابن ابی حاتم میں ہے، جہاں تک کالی کا سوال ہے تو وہ ابن منادی کے نزدیک پسندیدہ نہیں، اور عبد العزیز کی تصدیق سے متعلق ابوداؤد و تہما ہیں۔ بہر حال یہ روایت بلاغات (۶۸) کی قبیل ہے۔

دوسرے مشائخ سے سامع حدیث میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی تھی، مصاحب مغازی محمد بن اسحاق کو فہ آئے، ہم لوگ ان کے پاس گئے اور مغازی کی سماعت کی درخواست کی، تو انہوں نے ہماری درخواست قبول کر لی، اس درمیان میں ابو حنیفہ کی مجلس میں شریک نہیں ہو سکا، ایک مہینے مسلسل اتنا اسحاق سے مغازی سماعت کرتا رہا، جب اس سے فارغ ہوا تو ابو حنیفہ کے پاس آیا، ابو حنیفہ نے پوچھا "ایعتوب بے بھی کوئی جفا ہے" انہیں نے کہا ایسا کچھ بھی نہیں، بات یہ تھی کہ محمد بن اسحاق کا مدعا یہاں آئے ہوئے تھے، موقع غنیمت سمجھ کر ان کی مغازی کی سماعت میں مشغول ہو گیا تھا، ابو حنیفہ نے مجھ سے کہا "اے ایتوب اگلی بار جب آپ ان کے پاس جائیں تو پچھتے جا کر معرکہ طاوت و جالوت میں طاوت کی فوج کا گنا گنا، دستہ کون تھا، اور جالوت کے جھنڈے کس کے ہاتھ میں تھے؟" ابو حنیفہ نے کہا ان باتوں کو چھوڑ دیے، یہ کیسی بات ہے کہ ایک شخص علمی برتری کا دعویدار ہو اور جب اس سے پوچھا جائے کہ جنگ بدر پہلے ہوئی یا احد تو اسے اس کا کچھ پتہ نہ ہو۔ (۷۰)

مذکورہ بات اپنی جگہ مستم ہے اور اس سے ابو یوسف کی ذات پر بھی کوئی فرق نہیں پڑتا یا نہ پڑا۔
 پرامت نہیں کی جاسکتی کہ انہوں نے محمد بن اسحاق سے معافی کی، اس بات پر بھی کوئی
 ملامت نہیں کہ ابو یوسف نے ابو اسحاق کو علم معافی پر عدم الطمان کا اظہار کیا، ابو یوسف نے معافی
 شفعی جیسی قدر و شخصیت سے حاصل کیا، جن کے علم و فضل کا اعتراف ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما
 نے کیا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ معافی ہی پر انہوں نے سارا زور صرف نہیں کیا۔ مذکورہ روایتوں
 میں ابو یوسف اور ابو یوسف میں سے کسی پر بھی ظن نہیں اور نہ ہی اس کی سند پر کوئی اعتراض
 ہے، تاہم ابن خفاکن نے معافی الجبریری کی الحلیم الصالح کے حوالے سے بلاست وجہات نقل
 کی ہے اس میں خیانت ہے، نکاش اس میں منکر ذکر ہوتا تو اس کا جھوٹ قارئین کے سامنے واضح

ہو جاتا، اور اس جھوٹ کی بنیاد پر لوگ اس روایت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیتے۔

الحلیس الصالح میں مذکورہ نص سند کے ساتھ پھلّس ترہن میں اس طرح ہے:

ہم سے بیان کیا محمد بن حسن بن زیاد سقزئی نے، ان سے روایت کی محمد بن خزمیرہ نے خیرا پور میں، ان سے سقزئی نے، ان سے شافعی نے، کا قاضی ابو یوسف محمد بن اسحاق یاسکی اور کے پاس مخازنی کی سماعت کے لیے گئے، جس کی وجہ سے چند روز ابو یوسف کی مجلس میں شریک نہیں ہو سکے۔ جب وہ آئے تو ابو یوسف نے کہا ابو یوسف جالوت کا چھٹا دس شخص کے پاس تھا، ابو یوسف نے کہا آپ امام ہیں اگر خاموش نہیں ہوئے تو خدا کی قسم تمام لوگوں کے سامنے آپ سے یہ سوال کروں گا کہ بدر کی جنگ پہلے لڑی گئی یا بعد؟ کیوں کہ آپ کو یہ نہیں کہہ سکتے کہ بدر کی جنگ پہلے لڑی گئی، پھر ابو یوسف خاموش ہو گئے۔

ان دونوں روایتوں میں فرق بالکل واضح ہے، یہی ہے جھوٹ کا پلندہ اگر چمپائے نہیں چمپتا، مجلس الصالح کی روایت میں گھڑت ہے۔ اس پر ایک زبردست قرینہ حالیہ ہے، کیوں کہ اگر ابو حنیفہ کے اصحاب نے مسانید اسی حنیفہ میں ابو حنیفہ کی حوالے سے حضرت عمر کا اپنے خط میں بددی سمجھا تو دیگر غزوات میں شریک ہونے والے اصحاب پر فضیلت دینے کا ذکر کیا ہے۔ قرآن کریم کی آیت ولقد نصرکم اللہ ببلدنا و انعم اذلة بھی رات و دن ابو حنیفہ کی تلاوت میں بارگاہی تھی، یہ وہی آیت ہے جس کے بارے میں مشہور ہے کہ اس کا نزول غزوہ احد کے موقع پر ہوا۔ اس طرح کی باتیں تو صفار اہل علم سے پوشیدہ نہیں تو جو امام الزائدہ اور شیخ الفکر ہوا اس کے لیے پوشیدہ رہ سکتی ہیں۔

ابو حنیفہؒ نے تو السیر الصغیر اپنے اصحاب کو ملکہ کر دیا ہے، جس کا رد اور اعلیٰ نے کیا اور ابو حنیفہؒ کی طرف سے ابو یوسفؒ نے ہی جس کا دفاع کیا۔ پھر ایسے گمان کیا جاسکتا ہے کہ ابو یوسفؒ کی نظر میں ابو حنیفہؒ مخازی اور تاریخ میں اس قدر بے علم تھیں کہ ابو یوسفؒ ان سے یہ سوال کرنے پر مجبور ہو جائیں کہ بدر پہلے ہوئی ہے یا بعد؟ جب کہ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس سے کتب میں پڑنے والے بعض طالب علم بھی نا آشنا نہیں، یا پھر یہ تسلیم کیا جائے کہ ابو یوسفؒ نے

اپنے استاذ کی بے ادبی کی ہے، اور یہ بھی گمان نہیں کیا جاسکتا کیوں کہ ابوظیفہ نے جس طرح علم حاصل کرنے میں ابو یوسف کا مالی اور علمی تعاون کیا اس کے لیے ابو یوسف ہمیشہ سراپا پاس رہتے تھے اور اپنے استاذ کی تعظیم و تکریم میں کوئی دقیقہ و فرگزاشت نہیں چھوڑتے۔

مگر کیا کیا جائے ابن خلکان کو ایسی روایتیں لکھنے میں مڑا آتا ہے جن سے امام الاثر کی حیثیت بمرور ہو، خواہ وہ روایتیں کسی ہی گنگری کیوں نہ ہوں، وہ تو حماد بن عمر (جس کا حال واضح ہے) جیسے شخص سے سید کے لوگوں والا افسانوی قصہ لکھنے میں بھی ذرا دریغ نہیں کرتے، اور اسی طرح قتال کی نماز والے قصے (۷۱) کو لکھنے میں بھی ذرا دریغ نہیں کرتے، جس کے من گھڑت ہونے میں کوئی شک نہیں ہے، اس میں وہی شخص شک کر سکتا ہے جس کے دل پر پردہ پڑا ہوا ہے، جب کہ یہی ابن خلکان کی بھی ایسی روایت سے گریز کرتے ہیں جس سے ان کے امام کی حیثیت بمرور ہوتی ہو۔

جہاں تک صاحب الجلیس الصالح کی بات ہے تو آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ انہوں نے ہی یہ ذکر کیا ہے کہ مامون نے امام شافعی کو بیس طل بنیفہ پہننے پر ابھارا، امام شافعی نے بی بی کی اور اس سے ان کی عقل متاثر بھی نہیں ہوئی جیسا کہ لسان المیزان میں بھی ہے۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ مامون کے عہد خلافت میں امام شافعی کی ملاقات ان سے کبھی ہی نہیں۔ مذکورہ واقعے کی طرح یہ بھی محض من گھڑت ہے۔ اگر ابن خلکان سند ذکر کر دیتے تو ان کی ذمہ داری ختم ہو جاتی اور عام لوگوں کو روایت کی حقیقت کا پتہ چل جاتا۔

جہاں تک معافی جبریری کی بات ہے تو وہ ان ناقلین میں سے نہیں جو غور فکر کرنے کے بعد کسی چیز کو نقل کرتے ہیں، ان کی کتاب میں تغیر کی اور مزاح دونوں ہیں، الطائف و طرائف اور حکایات و مضحکات کا مجموعہ ہے۔ انہوں نے اس کی بھی پروا نہیں کی کہ وہ قصہ خواہ کتنی ہی مٹھایا سند سے ہے اور خواہ وہ قصہ بڑے بڑے امام کے بارے میں ہو، ان کی کتاب ان ادبی کتابوں کی طرح ہے جن کے مصنفین واقعات نقل کرنے میں تحقیق نہیں کرتے۔

اس واقعے کی سند میں محمد بن حسن بن زیاد مرقی ہیں، یہ نقاش ہیں اور ان کا کذب مشہور ہے، تفسیر میں ان کی کتاب شفاء الصدور ہے۔ ان کے بارے میں تفصیل چاہنا ہوتو

خطیب کی تاریخ بغداد، ذہبی کی میزان الاعتدال اور ابن حجر کی لسان المیزان کا مطالعہ کیجیے۔

طہ بن محمد الشاہد نے ان کے بارے میں کہا ”نقاش حدیث کے بارے میں جھوٹ بولا کرتے تھے“ انہوں نے اکثر قصوں کا ذکر کیا ہے۔ برقانی نے کہا ”نقاش کی تمام حدیثیں منکر ہیں، ان کی تفسیر میں ایک بھی صحیح حدیث نہیں“، لا لکائی نے کہا ان کی کتاب اشفاء الصدور (یعنی دلوں کو بلاک کے دہانے پر ڈالنے والی) ہے نہ کہ شفاء الصدور (یعنی دلوں کا علاج کرنے والی) ہے۔ خطیب نے کہا ان کی حدیثوں میں مشہور سند کے ساتھ بہت ساری منکر باتیں ہیں، ذہبی نے کہا ”وہ کذاب ہے“، دانی نے ان کی تعریف اس لیے کی ہے کہ دوروی کی وجہ سے نقاش کے حالات کا ان کو صحیح علم نہیں ہو سکا۔

یہ تو شے نمونہ از غرور ہے جس کا آپ نے مطالعہ کیا۔ یہی لوگ ہیں جو اندھ اعلام پر انکلیاں اٹھاتے ہیں یا ایسی روایتیں ذکر کرتے ہیں جن سے ان کی حیثیت عرفی بمرور ہو کر حقائق کو کبھی بھی چھپایا نہیں جاسکتا۔

کیا امام شافعی اور ابو یوسف کی ملاقات ثابت ہے؟

ابو یوسف کی ملاقات امام شافعی سے دونوں کے ہم عصر ہونے کی وجہ سے ممکن ہے۔ ابو یوسف خوارزمی نے سند کے بغیر اپنی کتاب جامع المسائل میں نیز سے متعلق شافعی کا ابو یوسف سے سوال نقل کیا ہے۔ ساتھ ساتھ مناقب شافعی پر لکھی گئی کتب (جن میں امام شافعی کے مشائخ کا اسم لکھا گیا ہے) میں جن لوگوں نے شافعی سے اخذ روایت کیا ہے، ان میں مذکور راوی حسن بن ابی مالک کا ذکر راویوں کی فہرست میں نہیں ہے۔ شافعی کے مشائخ روایت کا جزم کیا جائے تو اس کی روشنی میں یہ کہا جائے گا کہ وہ دونوں کبھی اکٹھا ہوئے ہی نہیں۔ مگر اس بارے میں کوئی معتد سند ہوتی تو کہا جاسکتا کہ امامان اتفاق تھا اگرچہ اس روایت کے علاوہ میں ان دونوں کا اتفاق ثابت نہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اصل عبارت میں "یوسف" تھا اور سہواً "ابا" کا اضافہ ہو گیا۔ یہ یوسف بن خالد نہیں ہیں جو باخاق امام شافعی کے مشائخ میں سے ہیں۔

جہاں تک ابن جریج کا اپنی کتاب معنی الحلق اور المستطہری میں یہ دعویٰ کرنا کہ امام شافعی نے ابو یوسف سے رشید کی موجودگی میں چند مسائل پر مدینہ منورہ میں اور ایک مسئلے پر کہ مکہ میں مناظرہ کیا ہے تو اس کا بطلان نہیں سے کئی وجوہ سے اسحاق حقیقہ اور امامین کر دیا ہے، یہاں اس کے ادا دے کی کوئی ضرورت نہیں کیوں کہ اس کا قائل ہونا بالکل واضح ہے۔

یہ دعویٰ کرنا شافعی کی ملاقات ابو یوسف سے ۱۸۳ھ میں رشید کی مجلس میں اس وقت ہوئی جب وہ ایک سفر کے ذریعے عراق پہنچے جس کو عبد اللہ بن محمد بلوی اور احمد بن موسیٰ بخارنے روایت کیا ہے، یہی صحیح نہیں کیوں کہ ابو یوسف کی وفات اس تاریخ سے دو سال پہلے ہو چکی تھی۔ ایسا بھی نہیں کہ مرنے کے بعد انہیں دوبارہ زندہ کر دیا گیا ہو اور دونوں کی ملاقات ہو گئی ہو کیوں کہ ابھی

بحث کا وقت نہیں آیا ہے۔ ممکن ہے کہ ابو یوسف کو اس مجلس سے کسی شخص کے ذریعے باہر نکلوا دیا گیا ہو جیسا کہ بعض لوگ بے ہودہ مذاق کرتے ہیں۔

یہاں ایک اور من گھڑت سفر کا قصہ ہے جن دونوں کا حال نہیں نے بلوغ الامانی صفحہ ۲۸ میں بیان کیا ہے، (۷۲) بلوی کی روایت کی فضیلت کے اور بھی مختلف وجوہ ہیں ان میں سے یہ ہے کہ ابو یوسف کی وفات اس تاریخ سے دو سال پہلے ہی ہو گئی (جیسا کہ بیان ہوا) معاصرت کے باوجود دونوں میں اصلاً ملاقات ہی ثابت نہیں۔ محمد بن حسن کی طرف جس علم کی نسبت کی گئی ہے اس کا بھی حقیقت سے بالکل تعلق نہیں کیوں کہ انہوں نے ہی شافعی کو اس ابتلا سے بچایا تھا۔ شافعی نے بعد میں ان سے اونٹ پر لدی ہوئی کتاب کے برابر علم حاصل کیا۔ یہ شافعی کا اخذ و نقل کا زمانہ تھا، اس وقت امامت کے درجے پر فائز بھی نہیں ہوئے تھے کہ یہ خیال کیا جاسکے کہ ان سے کسی نے حسد کیا ہے۔ یہ بھی کہ شافعی بر وقت ان کے فضل کا اعتراف کیا کرتے تھے، یوں ہی امام شافعی محمد بن حسن کی وفات کے چھ سال بعد جب ۱۹۵ھ میں دوسری بار عراق آئے تو اجتہاد کا دعویٰ کیا اور اپنے مذہب کی طرف لوگوں کو بلایا، ان سب کی توجہ نہیں نے اپنی کتاب بلوغ الامانی، احقاق الحق اور تائیب الخطیبہ وغیرہ میں کی ہے۔ ان تمام قرآن کی روشنی میں یہ کہنا کہ ۱۸۳ھ میں عراق میں شافعی کی ملاقات ابو یوسف اور محمد بن حسن سے ایک ساتھ رشید کی مجلس میں ہوئی اور ان دونوں نے انہیں قتل کرانے کی سازش کی، بالکل جھوٹ اور بے بنیاد ہے۔ اگرچہ اس سفر کا تذکرہ آری، ابو یوسف اصطفائی اور یثربی جیسے افراد نے کیا ہے، جب ان جیسے حضرات اس قسم کے عجیب و غریب قصے نقل کرنے میں کوئی دریغ نہیں کرتے تو پھر اس میں کیا حیرت ہے کہ عبد الملک بن جعفی، ابو حامد طوسی، اور فخر رازی جیسے لوگ اس سے دھوکے میں آجائیں اور اس پر اعتماد کر کے اپنے مذہب کی ترویج کے بیان میں اس جھوٹے قصے کو نقل کر دیں، اپنے دلوں میں اصحاب ابو حنیفہ کے خلاف حق و باطل آگے رکھتے ہوئے، ان لوگوں نے گمان کیا کہ جو کچھ اس قصے میں بیان کیا ہے وہ درست ہے۔ اگر یہ صحیح ہوتا جیسا کہ ان حضرات کا خیال ہے تو اصحاب ابو حنیفہ کو دنیا کے بدترین انسان ہوتے مگر وہ اس طرح کی باتوں اور بے بنیاد باتوں سے بری ہیں اور اس کے جھوٹ و بطلان پر خود وہ سرشار عدل ہے اور تاریخ کی

شہادت اس پر مستزاد۔ یہ اور بات ہے کہ ابن جوتی، غزالی، اور فخر رازی وغیرہ مقولات اور جدلیات میں انہماک اور مقالات میں گمراہی نہ ہوئے اور چال پر عدم دسترس کی وجہ سے اس کے بطلان پر مستند نہ ہو سکے اور انہیں لوگوں کی نقل پر اعتماد کر کے اس واقعہ کا ذکر کر دیا۔

ذہبی نے میزان میں کہا عبد اللہ بن محمد ایلوی نے عمارہ بن زید کے حوالے سے دار قطنی کا قول نقل کیا کہ وہ حدیث نقل کرتا تھا۔ ذہبی کہتے ہیں کہ ابو عوانہ نے اپنی تصحیح میں "استقنا" سے متعلق موضوع روایت نقل کی ہے۔ (۴۳) ابن حجر نے لسان العیزان میں کہا کہ یہی وہ ہیں جنہوں نے شافعی کے سفر کو ملک مرجع لگا کر بیان کیا ہے، ان میں اکثر باتیں من گھڑت ہیں۔ (۴۴) توالی التانیس میں ہے کہ وہ سفر جو شافعی کی طرف منسوب ہے جو بطریق عبد اللہ بن محمد ایلوی مروی ہے ابری اور تبتقی کے علاوہ کوئی لوگوں نے منتظر اور مطولاً ذکر کیا ہے، اسی کو فخر رازی نے منساب شافعی میں اس پر اعتماد کر کے بغیر سند کے نقل کر دیا ہے، یہ جھوٹا واقعہ ہے، اس کی اکثر باتیں موضوع ہیں، اس کے بعض من گھڑت حصے بعض گھڑی ہوئی روایتوں سے ماخوذ ہیں۔

ذہبی کہتے ہیں احمد بن موسیٰ نجاو حشی میوان ہے۔ ذہبی نے محمد بن یحییٰ اموی کے حوالے سے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ "ہم سے عبد اللہ بن محمد بلوی نے بیان کیا" آگے امام شافعی کی ایسا سے متعلق اسی جھوٹی کہانی کا ذکر کیا ہے غور و فکر کرنے والوں پر جس کا کذب آشکارا ہو جاتا ہے۔ (۴۵) ابن حجر نے بھی لسان میں اس کے جھوٹ ہونے کی تصدیق کی۔

ابن کثیر نے اپنی تاریخ (ج ۱ ص ۱۸۲) میں کہا ہے کہ عبد اللہ بن محمد بلوی کذاب کی روایت پر اعتماد کر کے جس نے یہ سمجھا کہ شافعی کی ملاقات ابو یوسف سے ہوئی اس نے غلطی کی۔ ۱۸۳ھ میں جلی مرتبہ شافعی بغداد آئے تھے محمد بن حسن شیبانی سے آپ کی ملاقات ہوئی، وہ شافعی کے ساتھ بڑے اخلاق سے پیش آئے۔ بعض کم علم لوگوں نے بے ہودہ باتیں اڑادی ہیں کہ ان دونوں کے درمیان بڑی دشمنی تھی حالانکہ حقیقت سے اس کا کچھ بھی تعلق نہیں۔

ان تصریحات کے بعد نووی نے المجموع (ج ۸ ص ۸) میں جو کھلوا قائل تعجب ہے۔ لکھتے ہیں کہ شافعی کے سفر سے متعلق ایک تصنیف مشہور اور مسموع ہے۔

یوں ہی تہذیب الاسماء واللغات (ج ۵ ص ۵۹) کے یہ الفاظ بھی قابل حیرت ہیں کہ شافعی جب ہارون رشید کے پاس سے نکلے تو قابی ابو یوسف نے ان کو سلام کہا، سمجھا اور کہا کہ آپ تصنیف کیجئے کیوں کہ اس زمانے میں آپ تصنیف و تالیف کے سب سے زیادہ حقدار ہیں۔

مطافی المقاصد الحسنة (ص ۲۲۲) میں رقم طراز ہیں:

یوں ہی یہ جو کہا گیا ہے کہ رشید کے پاس شافعی کی ملاقات ابو یوسف سے ہوئی باطل ہے، کیوں کہ شافعی کی ملاقات رشید سے ابو یوسف کی وفات کے بعد ہوئی ہے، ہمارے شیخ نے کہا ایسے ہی شافعی کا وہ سفر جس میں یہ تذکرہ ہے کہ انہوں نے رشید سے ملاقات کی اور محمد بن حسن نے رشید کو شافعی کے نقل پر کسایا باطل ہے۔

توالی التانیس میں بھی اسی طرح کے جملے ہیں، ابناذ نووی نے جو کچھ بیان کیا اس کو ان کے چند بغوات میں سے ایک سمجھنا چاہیے۔ جہاں تک ابن غاتم کی بات ہے تو وہ اصل روایت میں سے ہے ہی نہیں، مگر اس سے بغوات صادر ہوتے رہیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں، ہم اس کا رد کرتے نہیں چاہتے۔

میرزا خیال ہے کہ مہدول میں اس طرح کی موضوع روایتوں کی وجہ امام شافعی سے عقیدت نہیں ہو سکتی کیوں کہ وہ اس قدر بلند مرتبے پر فائز ہیں کہ من گھڑت قصہ گو لوگوں کی کہانیوں کی انہیں کوئی ضرورت نہیں۔ اس کا مقصد شرق اسلامی میں جھپٹی ہوئی دو عظیم جماعتوں حنفی اور شافعی مسلمانوں کے درمیان دیسے کارایوں کے ذریعے فتنہ اور فساد پھیلانا تھا۔ اب جب کہ وضعی روایتوں کی حقیقت سائنس آگنی فوس کے باوجود ایسی کتابوں کی نشر و اشاعت کرنے والے بھی اصل واضعین کے ہی حکم میں ہوں گے۔ لہذا ان برحق انہر کرام کا دفاع بھی ضروری ہے۔ اللہ کی توفیق اور مدد سے میں نے یہ کام انجام دیا اور اس قدر روشن دلائل سے حقیقت کو بے نقاب کر دیا کہ جس سے تعصب کی آنکھ کھلے والوں کی سانس ٹھٹھ کر وہ جانتے کی، مگر وہ بندی کے نقصانات سمجھ میں آجائیں گے اور انہر کرام کے درمیان دیسے کارایوں سے باز رکھنے میں معاون ثابت ہوں گے۔ میری بیان کی ہوئی ویلیوں میں جس کو ملک و شہر ہوتو دلائل و براہین کے ساتھ اسے رد

کر سکتا ہے بلکہ علمی رد کرنے والوں کو ہم پوری طرح خوش آمدید بھی کہیں گے اور ان کی دلیلیوں کے سامنے سر تسلیم خم بھی کر لیں گے۔ لیکن جو شخص الفاظ کے مدلولات اور پیش کردہ دلائل سے جان چھڑا کر بے بنی باتیں کرے گا اور ایسے اقوال لائے گا جس کا میری بات سے کچھ بھی تعلق نہیں تو یہ اس کے حدود و مبالغے اور اس کی تنگ نظری کی دلیل ہوگی۔ جو شخص اس کی پروا نہ کرتا ہو کہ وہ کسی شخص کے قلت افتاء کو یہ کہہ کر چپائے کہ وہ صرف واقع ہونے والے مسائل ہی کا جواب دیا کرتے تھے تو یہ خود اس شخص کی غباوت کی تصریح ہے، اسی طرح اگر قائل کے اس قول پر رد کرتے ہوئے کہ ”مشرق و مغرب اور قریب و بعید کے تمام عالمین اور عامہ مسلمین کو مذہب شافعی اختیار کرنا واجب ہے کیوں کہ وہ قریشی تھے اور حدیث میں ہے کہ امامت قریش ہی میں ہوگی“ کوئی امام شافعی کے نسب میں شوافعی ہی کی کتابوں سے اختلاف یا دوائے باور نہ کرے حدیث پر محمد شین کے کلام کا ذکر کرے تو اس سے یہ سمجھ لینا کہ وہ رد کرنے والا امام شافعی کے نسب میں طعن کر رہا ہے، یا مقلد اسلامی فکر سے محروم ہونے کی دلیل ہے کیوں کہ نسب میں طعن مثالب کے ذکر سے ہوتا ہے نہ کہ ایسے شخص کو نسب میں اختلاف یا دوائے باور تمام ائمہ متوہین کی امامت کو رد کرنا چاہتا ہے۔

ابو یوسف کی بعض حکایتیں اور اہل حدیث سے ملاطفت

ابن ابی عوام نے طحاوی کی روایت سے بکار ابن خثیمہ کے حوالے سے نقل کیا کہ انہوں نے ابو ولید طحاوی کو بیان کرتے ہوئے سنا کہ جب ابو یوسف اپنے سفر حج میں ہارون الرشید کے ساتھ بصرہ آئے تو اہل حدیث اور اہل رائے ان کے دروازے پر جمع ہو گئے اور دونوں میں سے ہر ایک جماعت نے پہلے اندر آنے کی اجازت چاہی ابو یوسف نے جھانک کر دیکھا، کسی کو بھی آنے کی اجازت نہیں دی اور نہ ہی ان میں سے کسی کو پہلے باہل اجازت چاہنے پر سخت سست کہا بلکہ دونوں جماعتوں سے مخاطب ہو کر کہا ”تمہیں دونوں ہی جماعتوں میں سے ہوں، کسی کو کسی سے پہلے آنے کی اجازت نہیں دوں گا تمہیں ہر ایک فرقہ سے سوال کرتا ہوں جو صحیح جواب دے گا وہ اور اس کے ساتھی پہلے اندر آنے کے مستحق ہوں گے“ پھر انہوں نے اپنے ہاتھ میں بیہنی ہوئی انگلی نکالی اور کہا اگر کوئی شخص میری اس انگلی کو چپائے یہاں تک کہ اسے پوری طرح توڑ ڈالے تو میرا اس پر کیا واجب ہوگا؟ روای کا بیان ہے کہ اہل حدیث کے درمیان اختلاف ہوا اور ان لوگوں کو ابو یوسف کی یہ بات اچھی نہیں لگی، اہل رائے میں سے ایک شخص نے جواب دیا اس شخص پر ڈھلے ہوئے چاندی کی قیمت واجب ہوئی اور چپائی ہوئی انگلی وہ لے لے گا تاہم اگر انگلی کا مالک چاہے تو وہ چپائی ہوئی انگلی رکھ سکتا ہے، ایسی صورت میں چپانے والے پر کچھ بھی واجب نہیں ہوگا۔ ابو یوسف نے کہا جس نے یہ جواب دیا وہ اور اس کے احباب کو اندر آنے کی اجازت ہے۔ ابو ولید طحاوی کہتے ہیں کہ اہل رائے اور ان کے ساتھی اندر داخل ہوئے تو میں بھی ان کے ساتھ اندر چلا گیا۔ ابو یوسف نے پہلی مجلس میں حسن بن صالح کے حوالے سے ایک حدیث اہل

کروائی، پھر میں سمجھ نہیں سکا کہ ان کے دل میں کوئی بات آئی یا کسی شخص نے کچھ پوچھا، انہوں نے کہا میں کسی شخص پر اتنا خوف نہیں کھاتا جتنا کہ اس شخص پر مجھے خوف ہوتا ہے جو حسن بن صالح کے بارے میں کچھ کام کرے۔ طبیاسی کہتے ہیں کہ مجھے ایسا لگا کہ ابو یوسف کی مراد غالباً شعبہ ہیں۔ میں اسی وقت ان کی مجلس سے اٹھ کر اہوا اور اپنے دل میں یہ کہا کہ بخدا ایسی مجلس میں نہیں بیٹھوں گا جس میں ابو یوسف کو برا بھلا کہا جائے۔ پھر میں نے اپنے دل کی طرف توجہ کی اور کہا یہ تو پورے علاقے کے قاضی ہیں اور امیر المؤمنین کے وزیر اور راج میں ان کے ساتھی ہیں۔ میری ناراضگی اور رخصا سے ان کی شخصیت پر بھلا کیا فرق پڑے گا۔ یہ سوچ کر میں واپس مجلس میں آکر بیٹھ گیا۔ جب مجلس ختم ہو گئی تو میری طرف پوئی طرح متوجہ ہوئے اور مجھے مخاطب کر کے کہا اے بشام! (انہوں نے مجھے مخاطب کیا کیوں کہ میں ان کے پاس بغداد میں جایا کرتا تھا) بخدا میں نے ابو یوسف سے کسی برائی کارا دو نہیں کیا، میرے دل میں ان کا احترام آپ سے کبھی زیادہ ہے لیکن میں نے حسن بن صالح کی طرح کسی شخص کو نہیں پایا۔

یہ کارہی تھی کہتے ہیں کہ میں نے یہ واقعہ جب بلال بن بیحی سے ذکر کیا تو انہوں نے کہا خدا کی قسم میں ہی وہ ہوں جنہوں نے ابو یوسف کو انگلی والے مسئلے کا جواب دیا تھا، تھیمہ (یعنی میرے والد) مجلس میں ہمارے ساتھ موجود تھے اور وہ اس بات کے بھی گواہ ہیں کہ ابو یوسف نے اس دن ہم لوگوں کو مکاتب سے متعلق کچھ لکھوایا تھا، جب وہ اس سے فارغ ہو گئے تو لوگوں کے درمیان سے میں آگے بڑھا اور ان سے کہا "صرف" میں تو آپ کا خیال ایسا نہیں ہے، کیا اس قول کو بدل دیں اور یہ لکھ دیں، یا اس قول کو ختم کر دیں اور اس کو لکھ لیں؟ ابو یوسف نے کہا دونوں کو اپنی جگہ رہنے دو، ممکن ہے میرے بعد کچھ ایسے لوگ آئیں جو ان دونوں میں فرق پیدا کر سکیں۔ (۷۶)

ابن ابی عوام ہی نے حسن بن قاسم بن عبد الرحمن دمشقی کے حوالے سے تخریج کی کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم سے حسن بن صالح بن عمران نے بیان کیا، وہ عزم بن فروہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا قاضی ابو یوسف حج سے فارغ ہو کر جب قاز آئے تو واقفی کو اہتر حال میں

دیکھا، انہیں اپنے ساتھ بغداد لے آئے، رشید کے پاس پہنچ کر سلام کیا اور ساتھ ہی بیحی بن خالد کو بھی سلام کیا، بیحی نے کہا ابو یوسف آپ مکہ سے میرے لیے کیا تحفہ لے کر آئے ہیں؟ ابو یوسف نے کہا میں آپ کے لیے ایسا تحفہ لایا ہوں کہ مجھ سے پہلے کسی نے بھی کسی کو اور نہ آپ کو ایسا تحفہ دیا۔ بیحی نے پوچھا وہ کیا ہے؟ ابو یوسف نے کہا ایک آدی لایا ہوں جس سے آپ جو کچھ سوال کرنا چاہیں کر سکتے ہیں، بیحی نے کہا پھر جلد حاضر کیجیے، واقعہ کہتے ہیں کہ ابو یوسف نے مجھے ان کے پاس پہنچ دیا، وہ مجھ سے دن بھر سوال کرتے رہے، جب رات ہوئی تو انہوں نے اپنے بستر کے قریب ہی میرے سونے کا انتظام کروایا، صبح جب ہوئی تو دوام اور کاغذ منگولیا اور ایک خط لکھ کر اپنے ایک خادم کو دیا اور تنبیہ کی کہ شیخ جب نماز سے فارغ ہو جائیں تو انہیں لے کر فلاں کے پاس چلے جانا اور میرا یہ خط اسے دے دینا، جب میں نماز سے فارغ ہو گیا تو خادم نے مجھ سے کہا میرے ساتھ چلیے، وہ مجھے ایک شخص کے پاس لے گیا اور خط اس کے حوالے کر دیا، اس شخص نے خادم کو واپس جانے کی اجازت دے دی اور مجھے روک لیا، اس نے کچھ غلام بلائے اور انہیں چڑے کا فرش بچھانے کا حکم دیا، پھر وہ چاندی کے سکوں کی تھیلیاں باہر نکال کر اس پر رکھنے لگے۔ جب دن چڑھ آیا میں نے کہا بھی میرے پاس اور بھی کام ہے، اگر اجازت دیں تو میں چلوں فلاں نے کہا میں آپ ہی کا کام کر رہا ہوں، وزیر نے مجھے یہ لکھ بھیجا ہے کہ میں آپ کو ایک لاکھ درہم دوں، میں نے کہا تھوڑا بڑھ جاؤ، مجھے صرف وہ ہزار درہم دے دو اور باقی اپنے پاس رکھ لو، پھر میں ابو یوسف کے پاس لوٹ آیا اور ان کو یہ ساری باتیں بتا دیں، ابو یوسف نے کہا آپ نے اسی قدر پر اکتفا کیا، پھر مجھے اچھا نہیں لگ رہا ہے جب تک اور کچھ اضافہ نہ کر دوں۔

یہی ابو یوسف کی نگاہ میں واقفی کی قدر و منزلت، وزیر پر ابو یوسف کے احکام کی پیروی اور ہر ایک کے نزدیک اس زمانے میں علم کی قدر۔

انہوں نے ہی حمادی کے حوالے سے تخریج کی کہ وہ عبد بن سلمان سے روایت کرتے ہیں اور وہ ابراہیم بن جراح سے کہ انہوں نے کہا میں نے جب مصر جانے کا ارادہ کیا تو ابو یوسف سے پوچھا کہ وہاں کس عالم کی صحبت اختیار کرو؟ ابو یوسف نے کہا ہمارے ذہن فیکہ کی اور ان کی بڑی

فضیلت بیان کی۔ جب میں بصرہ آیا تو حماد کی صحبت اختیار کر لی، خدا کی قسم جب بھی ابو یوسف کا تذکرہ آتا تو حماد کچھ نہ کچھ برائی بیان کر ہی دیتے۔

میں ایک دن ان کے پاس تھا کہ ایک عورت آئی اور ان سے یہ درخواست کرنے لگی کہ وہ ان کے لیے شرط مالک دیں، حماد پر اسے لوٹنا ناگراں گزر رہا تھا، دوسری طرف وہ اصحاب حدیث سے بھی بے توجہی برتتا نہیں چاہ رہے تھے، دل ہی دل میں وہ ایک عجیب کشش میں تھے، میں نے ان سے کہا ابواسامیٰ آپ اس عورت سے کہہ دیں کہ وہ اپنا کاغذ میرے حوالے کر دے، میں لکھ دوں گا، حماد نے ایسا ہی کیا اور حدیث کا درس روک دیا تاکہ وہ میری تحریر پر توجہ دے سکیں، میں نے ان سے کہا اس کی ضرورت نہیں ہے آپ درج حدیث جاری رکھیں، انہوں نے ایسا ہی کیا، جب میں لکھ کر فارغ ہو گیا تو کاغذ حماد کو دکھایا، انہوں نے اسے پڑھا اور بہت پسند کیا، پھر کہنے لگے آپ نے یہ کہاں سے سیکھا؟ میں نے جواب دیا اسی شخص سے کہ جب اس کا ذکر آپ کے پاس آتا ہے تو آپ کچھ نہ کچھ برائی کر ہی دیتے ہیں اور انہوں نے مجھے رخصت ہوتے وقت یہ وصیت بھی کی تھی کہ بصرہ میں آپ کے علاوہ کسی اور کی صحبت اختیار نہ کروں، حماد نے پوچھا وہ کون ہیں؟ ابراہیم نے کہا ابو یوسف، حماد اس پر شرمسار ہو گئے اور پھر اس کے بعد جب بھی ان کا ذکر کرتے تو اچھائی کے ساتھ کرتے۔

اس واقعے میں اس بات کا پتہ ملتا ہے کہ ابو یوسف محدثین یا اہل روایت کے متعلق کتنا منصفانہ مزاج رکھتے تھے۔ دوسری طرف ابن جراح کی شرح صدر کا بھی پتہ چلتا ہے کہ ان کے شیخ کی برائی کا کوئی موقع بھی ان کے سامنے نہ تھا، یہ نہیں گنوا یا جاتا اس کے باوجود وہ حکمت کے ساتھ ان سب کو برداشت کرتے رہے اور جب موقع ملا تو حماد کو ابو یوسف کی برائی سے روکنے میں کامیاب ہو گئے، یہ بھی معلوم ہوا کہ اصحاب حدیث کی ہمارے اصحاب کے بارے میں زبان درازی بالکل بے جا ہے۔

ابن ابی عمیر نے حمادی سے روایت کی انہوں نے ابو حازم سے، انہوں نے حسن بن موسیٰ سے اور انہوں نے بشر بن ولید کے حوالے سے کہ ابو یوسف نے محمد بن حسن کے بارے میں فرمایا:

وہ ایسی زبردست تکواری ہیں جس میں زنگ لگی ہوئی ہو اور جس کو صاف کرنے کی ضرورت ہے۔

حسن بن زیاد کے بارے میں فرمایا:

وہ میرے نزدیک ایک ایسے کیسٹ کی طرح ہیں کہ جب اس سے کوئی آدمی دست آور دوا مانگتا ہے تو وہ اسے روکنے کی دوا دیتا ہے اور جب روکنے کی دوا مانگتا ہے تو وہ اسے اتارنے کی دوا دیتا ہے۔

بشر کے بارے میں فرمایا:

وہ رفو کرنے والی سوئی کی طرح ہیں جس کا کنارہ نہایت باریک اور مدخل لطیف ہوتا ہے اور بہت جلد ٹوٹ جاتی ہے۔

حسن بن ابی مالک کے بارے میں فرمایا:

وہ ایک ایسے اونٹ کی طرح ہے جس نے ہارن کے دلوں میں اپنے اوپر بہت زیادہ بوجھ لا کر رکھا ہو، جب چلنے لگے تو اس کا بازو ایک بار ادھر سے ادھر جائے اور پھر درست ہو جائے۔

ابراہیم بن جراح کے بارے میں فرمایا:

ایسے شخص کی طرح ہے جس کے پاس سرمہ دار درہم ہو وہ جب بھی اسے چھوئے تو کچھ نہ کچھ بھی واقع ہو جائے۔ (۷۷۷)

ابو یوسف کی حکمت آمیز باتیں

قرطبی نے کہا امام طحطاوی نے اپنی الکفایہ میں بیان کیا کہ امام ابو یوسف کی وفات کا وقت جب قریب آیا تو اپنے رب سے اس طرح التجا کی:

پروردگار! تجھے خوب معلوم ہے کہ جب بھی میرے پاس کوئی مسئلہ آیا تو پہلے میں نے تیری کتاب کی طرف توجہ کی، اگر مسئلہ کتاب میں مجھے نہیں مل سکا تو تیرے نبی کی سنت کو دیکھا، اس میں بھی نہیں پاسکا تو صحابہ کے اقوال کا سہارا لیا، اگر یہاں بھی نہیں مل سکا تو ابو یوسف کو اپنے اور تیرے درمیان ایک پل بنالیا۔

پروردگار! تجھے پتہ ہے کہ جب بھی کوئی کمزور اور طاقتور میرے پاس فیصلہ کرانے آئے تو میں نے دونوں میں برابری کا برتاؤ کیا اور میرا دل طاقتور کی طرف مائل نہیں ہوا، پروردگار! اگر تجھے یہ سب کچھ پتہ ہے تو میری مغفرت فرما۔ (۸۷)

سبط ابن جوزی نے مرآۃ الزمان میں ابو یوسف سے نقل کیا کہ:

کاش میں قضا کا منصب نہیں سنبھالتا، تم میں نے کبھی ظلم و جور کا قصد نہیں کیا اور نہ ہی فریقین میں سے ایک کو دوسرے پر قوت و ضعف کی بنیاد پر ترجیح دی۔ پروردگار! تجھے خوب علم ہے کہ میں نے تیرے بندوں کے درمیان بالظعد کوئی بھی غلط فیصلہ نہیں کیا، میں نے احکام میں کتاب

(قرآن کریم) اور حیرے نبی ﷺ کی سنت کے مطابق اجتہاد کیا اور جہاں کچھ اشکال ہوا اپنے اور حیرے درمیان ابو حنیفہ کو کھڑا کر دیا، ابو حنیفہ کو حیرے حکم کا زیادہ علم تھا اور وہ حیرے حکم کے باور نہیں لگتے تھے۔ (۷۹)

ابن ابی حوام نے طحاوی کے حوالے سے نقل کیا وہ کہتے ہیں میں یونس بن عبدالاعلیٰ کے پاس گیا اور ان کے پاس احمد بن عمران تھے، یونس نے شافعی کے حوالے سے بیان کیا کہ ان کا فرمان تھا کہ کنی مسکوں کے بارے میں مجھ سے سوال کیا گیا، مجھے اپنے دل میں اس کی علت کا خوب علم تھا مگر زبان سے ادا کرنے پر قہر دیتے نہیں رکھتا تھا، احمد بن ابی عمران نے ان سے کہا اور کچھ؟ یونس نے جواب دیا نہیں۔

احمد نے کہا میرے پاس ابو یوسف کے حوالے سے اس سے ابھی ایک بات یہ ہے کہ محمد بن شجاع نے حسن بن ابی مالک سے روایت کی وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو یوسف کو فرماتے ہوئے سنا کہ:

مجھ سے کئی بار سوال کیا جاتا ہے، مجھے اس مسئلے کی علت کا پتہ ہوتا ہے مگر زبان سے اس کی ادا نیکی پر قادر نہیں ہوتا ہوں، اس میں میری مثال اس شخص کی طرح ہوتی ہے جسے کوئی درہم دکھائے تو کہے یہ خراب ہے یا اچھا ہے اور جب اس سے اس کی وجہ پوچھی جائے تو اس کے پاس وہی اچھا یا خراب کے علاوہ کوئی اور بات ہوتی ہی نہیں یعنی اس کی علت اور اس کی خرابی کے اسباب کا علم نہیں ہوتا۔

موفق بن ابی حاتم نے کہا ابو یوسف نے فرمایا:

بعض اوقات دو مسئلوں کے درمیان میں نے ہال کے برابر فرق ظاہر کیا بعض مسکوں میں پہاڑ کے مثل اور بعض مسکوں میں دل میں تفریق کی زبان اسے ادا نہیں کر سکتی۔ (۸۰)

علی بن حجر کہتے ہیں میں نے ابو یوسف سے سنا وہ فرماتے تھے:

علم فرائض میں علی اور زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اقوال سے استدلال کرتا ہوں اور جب ان میں اختلاف ہوتا ہے تو علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کو اپناتا ہوں کیوں کہ ان کا یہ اختلاف فقہاء کے اہم مسئلے میں ہوتا ہے، ایسی صورت میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اتباع کو اس لیے ترجیح دیتا ہوں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اقصا کم علی علم میں سب سے اچھا فیصلہ کرنے والے ہیں۔ (۸۱)

ابو یوسف نے یہ بھی فرمایا:

اے قوم (علماء) اپنے علم سے خدا کو چاہو یعنی اخلاص پیدا کرو، بہت کم ایسی مجلس ہے جہاں میں تواضع کی نیت سے آتا ہوں مگر جانے سے پہلے ہی اس میں تکبر کی باتیں ہو جاتی ہیں، اور جب کسی مجلس میں تکبر کی نیت سے گیا تو کھڑا ہونے سے پہلے ہی رسوا ہو گیا۔ یاد رکھو خدا کو چاہو اور اخلاص پیدا کرو۔

علی بن حجر نے ہی عاریثی کی سند سے ابو یوسف کے حوالے سے بیان کیا، (الفاظ قاضی وکیع کے ہیں) وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے علی بن اشکاف نے اپنے والد کے حوالے سے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو یوسف کو فرماتے ہوئے سنا:

اے قوم! اپنے علم سے صرف خدا کی رضا چاہو، میں جب بھی کسی مجلس میں تواضع کی نیت سے گیا ہوں وہاں کھڑے ہونے سے پہلے ہی تکبر کی باتیں ہو جاتی ہیں اور اگر تکبر کی نیت کی ہے تو کھڑے ہونے سے پہلے ہی رسوائی ہو جاتی ہے۔ (۸۲)

احمد بن حنبل نے ابو یوسف کے حوالے سے بیان کیا کہ:

ایسے شخص کی صحبت جسے شرم نہ ہو اسے قیامت کے روز شرمسار کر دے گی۔

اود فرمایا: تین چیزیں نعمتوں کی اصل ہیں:

(۱) اسلام کی نعت کہ اس کے بغیر کوئی نعت بھی پوری نہیں ہوتی۔

(۲) صحت کی نعت کہ عافیت اس کے بغیر میسر نہیں ہوتی۔

(۳) مال داری کی نعت کہ جس کے بغیر زندگی تمام نہیں ہوتی۔ (۸۳)

علی بن جعفر نے ابو یوسف سے روایت کیا کہ:

علم ایک ایسی چیز ہے کہ وہ جنہیں اپنا بعض حصہ بھی نہیں دے گی حتیٰ کہ تم

اسے اپنا پورا حصہ دے دو، اور اگر تم نے اسے اپنا پورا حصہ دیا تو اس کے

بعض حصے کے لینے میں احتیاط سے کام لو۔ (۸۴)

ابو یوسف کے سامنے جو کئی اہم مسئلہ آتا تو کہتے:

امور لودنبرہا حکیم اذن لہی وغیرہ ما استطاعا

ولکن الادیم اذا تفسری بلسی وتھتکا غلب الصناعا

ترجمہ: کچھ ایسے معاملات ہیں کہ اگر وہ شخص اس میں غور و فکر کرے تو اپنی استطاعت کے مطابق اس میں تہدیلی کر سکتا ہے لیکن جب فرش زمین پھٹ پڑے تو بڑے سے بڑا حکیم بھی پریشان ہو جاتا ہے اور بڑے سے بڑے کاریگر بھی حیران ہو جاتے ہیں۔

ابو یوسف کی حاضر جوابی اور احکام کی کچھ مثالیں

خطیب نے نقل کیا کہ ابو یوسف سوار تھے اور ان کا غلام پیچھے پیچھے دوڑ رہا تھا، ایک شخص نے کہا کیا آپ اس کو حلال سمجھتے ہیں کہ آپ کا غلام دوڑتا جائے، اسے سوار کیوں نہیں کر لیتے؟ ابو یوسف نے ان سے کہا ”کیا آپ کے نزدیک یہ جائز ہے کہ میں اپنے غلام کو اپنی سواری سمجھنے والا مقرر کروں؟“ اس نے کہا ہاں، ابو یوسف نے کہا ”پھر اس طرح بھی دوڑنے میں کوئی حرج نہیں جیسا کہ اسے سواری سمجھنے کی صورت میں دوڑتے رہنا ہوگا۔“ (۸۵)

ابن ابی عوام نے غلامی کے حوالے سے نقل کیا، انہوں نے جعفر بن احمد بن ولید سے روایت کیا، انہوں نے بشر بن ولید کندی سے وہ کہتے ہیں کہ کسی نے ابو یوسف سے پوچھا کہ میرا بچہ نصرانی ہے اور ناچتا ہے، کبھی کبھی میں اسے کنیرہ کی طرف جاتے ہوئے ملتا ہوں اور کبھی وہ اپنی پر ملاقات ہوتی ہے، کیا میں اس کا ہاتھ پکڑ کر سہارا دے سکتا ہوں؟ بشر کہتے ہیں کہ میں نے ابو یوسف کو یہ جواب دیتے ہوئے سنا کہ جب کنیرہ کی طرف جا رہا ہو تو اس وقت اس کا ہاتھ نہیں پکڑ سکتے ہاں جب وہ اپنا آ رہا ہو تو اسے سہارا دے سکتے ہو۔

حسن بن ابی مالک نے ابو یوسف کو کہتے ہوئے سنا کہ میں اس قدر بیمار ہوا کہ سب کچھ جو مجھے یاد تھا بھول گیا حتیٰ کہ قرآن کریم بھی، مگر فقہ نہیں بھلا سکا۔ پوچھا گیا وہ کیسے؟ جواب دیا فقہ کے علاوہ میرا جو کچھ بھی علم ہے وہ یادداشت کے ذریعہ ہے اور فقہ علم ہدایت ہے، میرا اس کے ساتھ ایسا ہی معاملہ ہے جیسا کہ کوئی شخص اپنے شہر سے مدتوں غائب رہے کے بعد وہاں آیا ہو تبہارا کیا خیال ہے وہ اپنے گھر کا راستہ بھول جائے گا؟

بشر بن ولید نے ابو یوسف کو کہتے ہوئے سنا کہ ”عورت کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے سر کو

اپنے غلام کے سامنے کھولے، نہ ہی اپنے بیٹے کے غلام کے پاس، نہ ہی اپنے باپ کے غلام کے پاس، اور اگر کوئی شخص اپنے ماں کا سر جوئے اور اس کے جوں کو صاف کرے تو اس کے حق میں جہنمی ہوگی۔

جلال الراے نے ابو یوسف کو کہتے ہوئے سنا کہ "بادشاہوں کے ساتھ بدسلوکی ذلت ہے اور قاضیوں کی بے ادبی فخر ہے۔"

یہ بھی کہتے سنا کہ چک کی لکھاٹی میں کم از کم دس گواہ درکار ہیں، دوسرے جائیں گے، دو غائب ہو جائیں گے، دو جھوٹ بول دیں گے، دو ثابت رہیں گے اور دو گواہی ادا ہی نہیں کریں گے۔

موفق نے یہ بھی روایت کی ہے کہ ابو یوسف نے وزیر علی بن یحییٰ کی گواہی صرف اس بنیاد پر رد کر دی کہ انہیں معلوم ہوا تھا کہ وہ جماعت سے نماز نہیں پڑھتا یہاں تک کہ علی بن یحییٰ نے اپنے گھر کے صحن میں مسجد بنائی اور پھر جماعت میں حاضر ہوتا تھا۔ (۸۶)

حسن بن ابی مالک سے مروی ہے کہ ابو یوسف کے پاس اسفہان سے ایک مرتدہ عورت لائی گئی تو اس کے قتل کا حکم صادر کرتے ہوئے درجے، پھر انہوں نے امام ابو حنیفہ کے قول کی طرف رجوع کر لیا کہ مرتدہ عورت قتل نہیں کی جائے گی بلکہ اس کو قید کر لیا جائے گا۔

بشر سے مروی ہے کہ میں ایک دن ابو یوسف کے پاس تھا کہ انہوں نے کسی مسئلے سے متعلق بات کی، میں نے کہا اللہ تعالیٰ نے ایسا حکم نہیں دیا ہے، ابو یوسف نے کہا کیا اللہ عز و جل کا ہر چیز میں مخصوص حکم ہے؟ بشر نے کہا ہاں، ابو یوسف نے کہا اس شخص کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا کیا حکم ہے جس نے کسی حرفی کے چوزہ کو پاؤں سے پھینک ڈالا جس سے اس کی آنکھ پھوٹ گئی؟ بشر نے کہا صحیح اور آنگھ سے معذور دونوں چوزوں کی قیمت لگائی جائے گی، آنگھ پھوٹنے والے پردوں میں جس کی قیمت زیادہ ہوگی وہ واجب ہوگی، یہی اللہ تعالیٰ کا اس بارے میں حکم ہے۔ بشر نے کہا، پھر ابو یوسف نے اپنے دائیں ہاتھ کی انگلیاں جمع کیں اور یہ شعر پڑھا:

أَعْلَمُهُ الرَّمَايَةُ كُلَّ يَوْمٍ وَلَمَّا اشْتَدَّ سَاعِدُهُ رَمَانِي

(ترجمہ: میں اسے ہر روز تیرا اعزاز کی سکھا تا ہوں اور جب اس کے بازو مضبوط

ہو گئے تو مجھے تیرا حیرا دیا)

یہ شعر پڑھتے ہوئے انہوں نے اپنے بائیں ہاتھ کی طرف اشارہ کیا۔

بشر ابن ولید سے مروی ہے، ابو یوسف نے کہا جو شخص شراب پینے کے لیے یہ سوچ کر بیٹھے کہ اس سے نشہ حاصل کرے گا تو پہلا جلد ہی حرام ہے، اس کے لیے بیٹھنا حرام ہوگا اور اس کی طرف چل کر جانا حرام ہوگا، جیسا کہ زنا سے حرام ہے اور اس کی طرف چل کر جانا بھی حرام۔

مطی بن منصور سے مروی ہے کہ ابو یوسف نے ہارون رشید کے ساتھ حج کیا، ہارون نے خلیج کی امامت کی اور درود رکعت پر سلام پھریا، ابو یوسف کھڑے ہوئے اور کہا کہ والو تم اپنی نماز پوری کر لو کیوں کہ ہم لوگ مسافر ہیں۔ ایک شخص جو نماز پڑھ رہا تھا اس نے کہا ہم لوگ تم سے زیادہ فتنہ کا علم رکھتے ہیں، تمہیں بتانے کی کچھ ضرورت نہیں، ابو یوسف نے کہا، اگر تم فتنہ ہو تو نماز میں بات نہیں کرتے، ہارون رشید نے کہا مجھے تمہارے جواب سے جتنی خوشی ہوئی اتنی سرخ اونٹ ملنے پر بھی نہیں ہوتی۔

ابو بکر خفاف نے اپنے والد سے روایت کی کہ جب ابو یوسف کی وفات کا وقت قریب آیا تو ہم سر ہانے بیٹھ گئے اور کہا آپ کے دل میں اس مسئلے یعنی قضا سے متعلق کوئی بات ہے؟ انہوں نے کہا نہیں، خدا کی قسم کچھ بھی نہیں مگر صرف ایک مسئلے سے متعلق میرے دل میں کچھ ہے، مسئلہ یہ تھا کہ ایک مرتدہ کی نصرانی نے رشید کے خلاف جامدہ کا مقدمہ دائر کیا، میں نے اس نصرانی کے ساتھ رشید کو بھی یا رشید کے بیٹے کے لیے اس کی خاص جادو بھجوائی جس پر وہ بیضا گھر میں نے نصرانی کے بیٹے کا اس طرح کوئی اہتمام نہیں کیا تھا، اس میں یہی بات میرے دل میں ٹھکتی ہے۔

حسن بن ابی مالک سے مروی ہے کہ میں کہتا ہوں کہ ابو یوسف کی جس مرض میں وفات ہوئی اس میں ان کو کہتے ہوئے سنا گیا کہ خدا کی قسم میں نے کبھی زنا نہیں کیا، خدا کی قسم میں نے کسی حکم الہی سے کبھی بھی تجاوز نہیں کیا، میں اپنے دل کی کسی بات سے نہیں ڈرتا مگر صرف ایک چیز سے، میں (راوی) نے کہا وہ کیا ہے؟ ابو یوسف نے کہا ہارون رشید کا یہ حکم تھا کہ میں لوگوں کا کیس لے کر پڑھوں پھر اس کی موجودگی میں دستخط کر دوں، میں وقت سے ایک دن پہلے کیس لے لیتا تھا اور اس کو دیکھ لیتا تھا، ایک روز جب میں نے سارے کیس جمع کیے تو اس میں ایک کیس کسی نصرانی

کا تھا، اس میں اس نے امیر المومنین ہارون کو فریق بنا کر یہ دھوئی کیا تھا کہ انہوں نے اس کی جانداور بڑ بردتی قبضہ کر لیا ہے، میں نے اس نصرانی کو بلایا اور پوچھا یہ جانداور ابھی کس کے قبضے میں ہے؟ اس نے کہا امیر المومنین کے، میں نے چاہا کہ معاملہ اور قریب سے واضح ہو جائے اس لیے میں نے اس سے پوچھا اس کا پھل کون بیچتا ہے؟ اس نے کہا امیر المومنین، میں نے پوچھا اس کی پیداوار کون جمع کرتا ہے؟ اس نے کہا امیر المومنین، میں نے ہر چند یہ چاہا کہ وہ اپنا فریق امیر المومنین کے علاوہ کسی اور کو بنائے مگر وہ امیر المومنین ہی کو اپنا فریق بنانا پڑا، میں نے اس کا کیس لوگوں کے کیس کے ساتھ مثال کر لیا، جب عدالت کی کارروائی کا دن آیا اور کچہری گئی تو ایک ایک کر کے لوگوں کو بلایا گیا حتیٰ کہ نصرانی کا کیس میرے ہاتھ میں آیا، میں نے اسے بلایا، وہ اندر آیا، میں نے اس کا کیس امیر المومنین کے سامنے پڑھا، انہوں نے کہا یہ جانداور ہماری ہے، یہ منصوبہ کی رافض سے ہمارے حصہ میں آئی ہے، میں نے نصرانی سے کہا تم نے امیر المومنین کا بیان سن لیا، کیا تمہارے پاس اپنے دعوے کی کچھ دلیل ہے؟ اس نے کہا میں تمہیں قسم کھا سکتا ہوں اگر آپ مجھ سے قسم طلب کریں۔ کہتے ہیں میں نے ہارون سے کہا امیر المومنین آپ قسم کھا سکتے ہیں؟ انہوں نے کہا ہاں اور پھر قسم کھائی، اور نصرانی واپس ہو گیا۔ ابو یوسف کہنے لگے صرف اسی مسئلے کا مجھے کچھ خوف ہے، حسن نے کہا اس میں خوف کی کون سی بات ہے آپ نے تو وہی کیا جو حق تھا؟ ابو یوسف نے کہا: میں نے امیر المومنین کو جس شخص کے ساتھ مجلس میں نہیں بٹھایا تھا۔

ان سب واقعات کی سند ابن ابی حوام کی کتاب میں موجود ہیں۔

قاضی کو بیع نے اسباب القضاۃ میں کہا کہ مجھ سے بیان کیا کہ ابو ایمن بن ابی ایمن نے انہوں نے روایت کی، یحییٰ بن عبد الصمد سے کہ امیر المومنین موسیٰ کو ایک مقدمے میں ابو یوسف کے پاس فریق بنایا گیا، مقدمہ ان کے باغ سے متعلق تھا، فیصلہ بظاہر امیر المومنین کے حق میں تھا اور مسئلہ اس فیصلے کے خلاف لگ رہا تھا، امیر المومنین نے پوچھا کیا کیا آپ نے ہمارے مقدمے کا جس میں ہم لوگ فریق بن کر آپ کے پاس آئے ہیں؟ ابو یوسف نے کہا امیر المومنین کے فریق نے مجھ سے یہ پوچھا ہے کہ کیا میں امیر المومنین سے اس بات پر حلف لے سکتا ہوں کہ ان کے گواہوں نے سچی گواہی دی

ہے، موسیٰ نے پوچھا کیا آپ بھی ایسا ہی سمجھتے ہیں؟ ابو یوسف نے کہا ابن ابی لیلیٰ کا یہی خیال تھا، راوی کہتے ہیں کہ پھر ابو یوسف نے کہا کہ باغ آئیں واپس کر دیں اور ابو یوسف نے یہ جملہ کیا تھا۔ (۸۷)

خطیب نے قاضی کو بیع کے طریق سے یہ بھی نقل کیا ہے اور یہ رشید کے علاوہ واقعہ ہے، صمیری نے بڑی تفصیل سے رشید کے واقعے کا ذکر کیا ہے اس کے آخر میں ہے کہ شیخ چچے مکر کہنے لگے کہ ستو کی طرح اسے جیس دیا گیا ہے۔ ادھر امیر المومنین کے چہرے پر پسینہ تھا جب انہوں نے حلف لیا، اور سر جھکا سے سوچ میں پڑ گئے۔ میں نے کہا میں ہلکا ہو گیا اور لوگ بھی ہلکا ہو گئے۔ یحییٰ بن خالد نے کہا یعقوب آپ نے امیر المومنین کی طرح رعایا سے عدل و انصاف کرنے والا کسی کو پایا ہے، انصاف سے کام لو، ابو یوسف نے ایسا ہی کیا جیسا کہ یحییٰ نے کہا پھر امیر المومنین سے راز دارانہ سرگوشی کی تو اس سے خوش ہو گئے اور کہا بیجان اللہ انصاف ضروری ہے۔ یحییٰ بن خالد نے کہا اگر ایسا فاروق (عمر ابن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے ہوتا تو اچھا ہوتا، یا اسی طرح کا کچھ جملہ کہا، اس کے بعد ابو یوسف کا فریقین کے درمیان عدل و انصاف کا اور مجلس میں اس کی براہری کے اہتمام کا ذکر کیا۔ (۸۸)

ابو یوسف کے اس طرح کے بے شمار واقعات ہیں جن میں یہ ہے کہ وہ مقدمے کے فیصلوں میں کسی کی پروا نہیں کرتے تھے، بلکہ اس ضمن میں راقی اور عایا امیر اور فقیر، بادشاہ اور مزدور سب یکساں تھے، یہی وہ اسباب تھے جنہوں نے ان کی عظمت کو چار چاند لگا دیے اور اسلام میں عدالتی نظام کو اہم مقام عطا کیا، علامہ ذہبی نے اپنے جڑ میں لکھا ہے کہ قاضی قضاۃ (چیف جسٹس) ابو یوسف رحمہ اللہ رضی اللہ عنہ کے بے شمار واقعات ہیں جن کا تعلق ریاست، سلاطین، شرافت، عروت، احترام اور علم و فضل میں سربراہی سے ہے، بعض لوگوں نے کچھ ایسے واقعات کا بھی ذکر کیا ہے جن سے ان کی عظمت پر حرف آتا ہے مگر ان واقعات کا صحت سے کچھ تعلق نہیں جن کا ذکر مرقی اور ابن عساکر نے کیا ہے۔

میں نے ان دونوں کے بارے میں اس کے محل پر پوری تفتیش کی ہے جہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

ابو یوسف کی ابو حنیفہ کی مجلس علم سے غیر حاضری

زین بن نجیم نے اپنی کتاب الاشباہ والنظائر کے باب حکایات میں ذکر کیا کہ جب ابو یوسف درس و تدریس کے لیے ابو حنیفہ کو بتائے بغیر مستدریثہ گئے تو ابو حنیفہ نے ایک شخص کو بھیجا کہ وہ ابو یوسف سے پانچ مسائل کے بارے میں سوال کرے۔ ایسا ہی صحری اور خطیب وغیرہ نے بھی ذکر کیا ہے۔ (۸۹)

پہلا مسئلہ: دعویٰ ہے اس بات کا انکار کر دیا کہ اس نے کھڑے دھونے کے لیے لیے تھے اور پھر دھو کر لے آیا، ایسی صورت میں وہ اجرت کا مستحق ہوگا یا نہیں؟ ابو یوسف نے جواب دیا یاں وہ اجرت کا مستحق ہے، مسائل نے کہا غلط، ابو یوسف نے کہا اسے اجرت نہیں ملے گی، مسائل نے کہا یہ بھی غلط، پھر مسائل نے کہا اگر انکار سے پہلے اس نے کھڑا دھو دیا تھا تو اجرت کا مستحق ہوگا ورنہ نہیں۔

دوسرا مسئلہ: نماز میں سنت کے ذریعہ داخل ہوئے ہیں یا فرض کے ذریعے؟

ابو یوسف نے جواب دیا فرض کے ذریعے سے، مسائل نے کہا غلط، ابو یوسف نے کہا سنت کے ذریعے سے، مسائل نے کہا غلط، ابو یوسف حیران ہوئے تو مسائل نے کہا فرض اور سنت دونوں ہی کے ذریعے سے نماز میں داخل ہوا جاتا ہے، کیوں کہ تکبیر فرض ہے اور اتھا اٹھا سنت۔

تیسرا مسئلہ: ایک پرندہ چونے پر رکھی ہوئی کھانڈی میں گر گیا، ہانڈی میں شور بہ دار گوشت تھا، ایسے گوشت کو کھایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ ابو یوسف نے کہا کھایا جائے گا، مسائل نے کہا غلط، ابو یوسف نے کہا نہیں کھایا جائے گا، مسائل نے کہا غلط، پھر مسائل نے کہا اگر گوشت پرندے کے گرنے سے پہلے جھوٹا چاچا تھا تو تین بار سے دھو کر کھایا جائے گا اور شور بہ چھینک دیا جائے گا، دونوں نہیں چھینکے جاسکتے۔

چوتھا مسئلہ: ایک مسلمان کی بیوی ذمی تھی (یعنی غیر مسلم کتابی) کہ وہ اس سے حاملہ تھی کہ اس کا انتقال ہو گیا، اسے کس قبرستان میں دفن کیا جائے گا؟ ابو یوسف نے کہا مسلمانوں کے قبرستان میں، مسائل نے کہا غلط، ابو یوسف نے کہا میوں کے قبرستان میں، مسائل نے کہا غلط، اسے یہودیوں کے قبرستان میں مگر اس کا چہرہ قبیلہ کی طرف سے پیچھے کر دیا جائے گا تا کہ پیٹ کے اندر بچے کا چہرہ قبیلہ کی طرف ہو جائے کیوں کہ ماں کے پیٹ میں بچے کا چہرہ ماں کی پیٹھ کی طرف ہوتا ہے۔

پانچواں مسئلہ: کسی شخص کی باعدی ام ولد تھی، اس نے اپنے آقا کی اجازت کے بغیر شادی کر لی پھر اس کے آقا کا انتقال ہو گیا، کیا اس پر اپنے آقا کی عدت و قضا واجب ہوگی؟ ابو یوسف نے کہا واجب ہوگی، مسائل نے کہا غلط، ابو یوسف نے کہا عدت واجب نہیں ہوگی، مسائل نے کہا غلط، اگر شوہر نے دخول کیا ہے تو عدت واجب نہیں ہوگی اور اگر دخول کا تحقق نہیں ہوا تو عدت واجب ہوگی۔

ابو یوسف کو اپنی کم علمی کا احساس ہوا اور دوبارہ ابو حنیفہ کی مجلس علم میں واپس آ گئے۔ امام ابو حنیفہ نے کہا کتنے سے پہلے ہی بھل توڑنے گئے تھے۔ ایسا ہی احادیث الغیض میں ہے۔

مناقب گردی میں ابو یوسف کی طبعی کی وجہ یہ لکھی ہے کہ وہ جب بیمار ہوئے تو امام ابو حنیفہ ان کی عیادت کے لیے گئے اور فرمایا میں اپنے بعد تمہیں مسلمانوں کا امام بنانا چاہتا ہوں، جب شفا پایا یہ ہوئے تو انہیں اپنے کوچہ پر گمان ہوا اور پھر امامی کی مجلس منعقد کر لی، امام ابو حنیفہ نے ابو یوسف کو دوبارہ اپنی مجلس میں آتے ہوئے دیکھ کر کہا تمہیں بس ایک دعویٰ کا مسئلہ لے آیا، سبحان اللہ! تعجب ہے ایسے شخص پر اللہ کے دین میں کلام کرتا ہے، مجلس جاتا ہے اور اسے اجارے کا مسئلہ بھی طرح طرح نہیں معلوم، پھر فرمایا جو شخص یہ سمجھ لے کہ اب اسے علم کی ضرورت نہیں اسے اپنے اوپر رونانا چاہیے۔ (۹۰)

یہ واقعہ ابو یوسف کے ابتدائی زمانے کا ہے اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ وہ آخری وقت میں

(۸۳) مجمع بخاری ج ۳ ص ۱۲۲۹ حدیث نمبر ۳۲۳۳ صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۹ حدیث نمبر ۱۰۹۲

(۸۴) مجمع بخاری ج ۳ ص ۱۲۳۱ حدیث نمبر ۳۲۳۳ صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۹ حدیث نمبر ۱۰۹۲

(۹۵) مجمع بخاری حدیث نمبر ۳۲۳۳ صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۸۲۸ حدیث نمبر ۲۲۵۷

اجتہاد مطلق کے درجے پر فائز نہیں تھے اور نہ ہی یہ مطلب نکالا جاسکتا ہے کہ وہ مجتہد فی المذہب تھے کیوں کہ فقہ کے مختلف درجات اور مراحل طے کرنے کے بعد ہی اجتہاد مطلق کے درجے پر پہنچے، لہذا ان واقعات کی کوئی حیثیت نہیں جو عنفوان شباب یا اوائل عمر میں واقع ہوئے، تاہم ایک وقت ایسا آیا جب وہ علم میں پختہ ہو گئے اور اپنے استاذ کے سچے جانشین بھی بن گئے۔ اس میں کوئی تعجب کی بات بھی نہیں کہ جو ان لوگ تھے کہ ابتدائی مرحلے میں اپنے اوپر نازاں ہو جائیں اور پھر بعد میں صحیح سمت میں چل پڑیں، ایسا خود امام اعظم کے ساتھ بھی ہوا تھا کہ ایک وقت اپنے استاذ حماد کی مجلس سے الگ ہو گئے پھر کچھ دنوں بعد استاذ کی مجلس میں لوٹ آئے اور وقات تک پھر کبھی ساتھ نہیں چھوڑا، یہ ایک طویل داستان ہے۔ امام اعظم کا اپنے استاذ حماد کے ساتھ پابندی کے ساتھ رہنے کا واقعہ نہیں نے ابن قیم کی کتاب لست السلف علی ما فی الاختلاف فی السلف میں ابو شیبہ کی تاریخ اصفہان کے حوالے سے بیان کیا ہے جس میں بڑی عبرت انگیز باتیں ہیں۔

(۹۲) پردایہ حدیث کی متعدد کتابوں میں مختلف الفاظ کے ساتھ موجود ہے، صحیح بخاری میں حضرت ام المومنین عائشہ سے اس طرح مروی ہے: بِسْمِ اللّٰهِ تَرْبِیۃً لِّرُحَیۡلَا، بِرِیۡقَةٍ بَعْضُهَا، وَشَفِی سَقِیۡمًا، بِاِذۡنِ رَبِّہَا (صحیح بخاری حدیث نمبر ۵۱۱۳) صحیح مسلم حدیث نمبر ۲۱۹۲ (ترمذی: ۲۱۹۲) اس حدیث کے ساتھ ۱۴۰۲ھ میں شیخ ابی ایشی اللہ تعالیٰ کے حکم سے بنارس کے لیے شفا ہے (ترمذی: ۲۱۹۲) اس حدیث کے ساتھ ۱۴۰۲ھ میں شیخ ابی ایشی اللہ تعالیٰ کے حکم سے بنارس کے لیے شفا ہے

حوالے سے ہیں، لہذا ان دونوں کے اقوال ابوحنیفہ کے ہی اقوال سے ہوں گے، اس لیے ان کو ابوحنیفہ کے مذہب میں شمار کرنا بھی صحیح ہے۔

اپنے اس جواب پر شیخ نے دونوں اماموں سے مروی اقوال کو دلیل بنایا ہے اگرچہ ان میں عابدین نے اسے پسندیدہ قرار دیا ہے مگر یہ عمدہ نہیں، اس لیے کہ اس کا اعتبار اس پر ہوگا جو زبرائے کمال نے طبقات فقہائیں کہا ہے کہ ”یہ دونوں اصول میں امام کی مخالفت نہیں کرتے ہیں“ حالانکہ یہ خلاف واقعہ ہے بلکہ یہ دونوں بہت سارے اصولی اور فروعی مسائل میں اختلاف کرتے ہیں جیسا کہ مجتہد مطلق کی شان ہوتی ہے، ان دونوں کو مجتہد نہیں لہذا مذہب کے مرتبے میں شمار کرنا حقیقت کے خلاف ہے، یہ اور بات ہے کہ ان دونوں نے اپنے آپ کو ابوحنیفہ کی ہی طرف منسوب کیا ہے، یہ کیا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ ان سب کے مجموعی نظریات پر حنفی مذہب کا احاطہ کرنا ایک اصطلاح میں معنی ہے جس میں کوئی حرج نہیں کیوں کہ یہ بات گزر چکی ہے کہ ابوحنیفہ کا مذہب ایک پوری جماعت در جماعت کا نکتہ ہے۔

ان میں ہر قول کا مصدر اجتہاد مطلق پہلی ہے، ہر ایک کی اپنی دلیل ہے، لہذا دونوں اماموں نے جہاں کہیں حکم کی دلیل کو جان لیا جس طرح کہ ابوحنیفہ جان لیا کرتے تھے تو ان کی موافقت کر لی، یہ موافقت اجتہادی تھی تقلیدی نہیں اور جب دلیل حکم کے مخالف ہوئی تو مخالفت بھی کی لہذا دونوں کا امام کے ساتھ کسی پر متفق ہو جانا تقلید کی دلیل نہیں بلکہ ان میں بعض کا دوسرے کی طرح

(۹۸) مرقی سابق ص ۳۳۱

(۱۰۰) مؤلف نے اپنی کتاب ذیاب الحطبہ میں مختلف مقامات پر بالخصوص مقدمہ میں اس مذہب کے ہی دیکھا اور درمیان قصبہ اور نزاع کے اسباب پر بھی تفصیلی بحث کی ہے۔ کتاب کے مقدمہ میں پہلے تو انہوں نے امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور امام مسلم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اقوال ایک دوسرے کے بارے میں اور ان اقوال کی روشنی میں ان کے درمیان کمرے تعلقات اور ایک دوسرے کے لئے ایسے جذبات کا ذکر ہر ایک کی کتابوں کے حوالے سے کیا ہے۔ اس کے بعد کچھ ہیں کہ ”یہ بھی دینی اور احرام کا جذبہ ہر امام مالک، مالک بن نواری، ائمہ سے فقہائے علم منصب پر استقامت کی عکاسی تھی“ دوسرے مذہب کے ایسے علماء جن کا دین سے کوئی تعلق نہیں، گو یہ بات کچھ بھی سمجھ سکی، انہوں نے دنیا حاصل کرنے کی غرض سے اس کو ایک بد اسلحہ بنالیا، امام اعظم ابوحنیفہ کے ہی دیکھا اور دینی مذہب کے خلاف جھوٹی اور سرگرتہ رواہوں کی اشاعت کرنے لگے اور ان رواہوں کو اپنی تابلیغات میں جھگڑی دی، پھر سب حد تک ایک سطح پر چلے آج بھی پوری دنیا میں محسوس کیا جا رہا ہے (ذیاب الحطبہ ص ۳۳۱)

مذہب یوسفی کی تدوین حنفی مذہب کے ساتھ کیوں؟

ذکر بن ہذیل، ابو یوسف اور محمد بن حسن نے اصول اور فروع دونوں ہی مسائل میں ابوحنیفہ کی مخالفت کی ہے جیسا کہ مذہب حنفی کے اصول اور فروع پر لکھی ہوئی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے، اس کے باوجود ان کے افکار و خیالات کا مذہب حنفی کی کتابوں میں ابوحنیفہ کے خیالات کے ساتھ مرقوم ہیں اور ان اختلافات کے باوجود ان سب کے مجموعی مذہب شمار کیا جاتا ہے بلکہ احناف سے یہ بھی مخصوص ہے کہ مذہب حنفی میں فتویٰ ایک بار ابوحنیفہ کے قول پر ہوتا ہے تو دوسری بار ان میں سے کسی ایک کے قول پر۔ یہ اتنا بڑا اشکال تھا کہ شعبان گیارہ سو پانچ ہجری (۱۱۰۵ھ) میں شریف مکہ سعد بن زید رحمۃ اللہ علیہ سے اس کے متعلق اس طرح سوال کیا گیا کہ آپ کا کیا خیال ہے امام ابوحنیفہ اور ان کے صاحبزادے ابو یوسف اور محمد کے مذہب کے بارے میں کیوں کہ ان میں سے ہر ایک شریعت کے چار اصول کتاب، سنت، اجماع، اور قیاس میں مجتہد ہے اور ایک ہی مسئلے میں ان میں سے ہر ایک کا مستقل نظریہ ہے جو دوسرے کے خلاف ہے، آپ ان تین مذہب کو ایک ہی مذہب کیسے قرار دیتے ہیں؟ ہر ایک کو ابوحنیفہ کا ہی مذہب کہتے ہیں؟ اور جو شخص ابو یوسف یا محمد کا مقلد ہوتا ہے اس کو بھی آپ حنفی ہی کہتے ہیں، حنفی تو وہی شخص ہے جو صرف ابوحنیفہ کے افکار و خیالات کا پابند اور مقلد ہو؟

اس سوال کا جواب اس وقت شیخ عبدالغنی نابلسی نے اپنے مستقل رسالے الحساب الشریف للحضرة الشريفة في أن مذهب أبي يوسف ومحمد هو مذهب أبي حنيفة میں دیا۔ ان کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ ان دونوں کی رائے ابوحنیفہ کی ہی روایات کے

عقلم کی دلیل پر مطلع ہو جاتا ہے۔ اگر ایسا نہ مانا جائے تو دنیا میں کسی مجتہد مطلق کا وجود ہی نہیں ہوگا کیوں کہ عام طور پر مجتہدین مسائل میں ایک دوسرے سے متفق ہوتے ہیں، جہاں تک اس وجہ کی بات ہے کہ ان دونوں کے تمام اقوال ابوحنیفہ کے ہی اقوال ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی مسئلے میں مختلف احکام کا احتمال ہو کر تا تو ابوحنیفہ اس سے اپنے اصحاب کو احتجاج کا طریقہ اور اس کے رائج ہونے کے دلائل کی مشق کرایا کرتے تھے کسی مسئلے کو رائج قرار دینے کے بعد پھر اس کا رد کرتے اور پہلے کے دلائل کو رد کر دیتے اور دوسرا احتمال دلائل کی روشنی میں رائج کر دیتے، پھر تیسرا احتمال پیدا کر دیتے اور دوسرے کو دلائل سے رد کر دیتے، اس طرح مرحلہ وار اپنے اصحاب کی مشق کرتے یہاں تک کہ ایک خاص حکم پر جا کر رائے مستقر ہو جاتی اور غور و فکر کے بعد مسائل کے رجحان میں اسے درج کر لیا جاتا۔ کئی مسائل ایسے ہوتے جو ابو یوسف کے نزدیک ہی رائج ہوتے، اس پر سب لوگوں کا اتفاق نہیں ہوتا اور اس میں صرف ان کے اجتہاد کو دخل ہوتا تو یہ رائج رائے ایک اعتبار سے ان کا اپنا قول ہوتا اور ایک اعتبار سے ابوحنیفہ کا کیوں کہ ابوحنیفہ ہی اس احتمال کے موجد ہوتے اور پھر دلائل قائم کرنے والے بھی پہلے وہی ہوتے، اگرچہ بعد میں اس نظریے کے خلاف ہو جاتے، اس کی مثال وہ روایت ہے جسے ابی حوام نے محمد بن احمد بن حماد سے روایت کیا، انہوں نے محمد بن شجاع سے انہوں نے حسن بن ابی مالک، عباس بن ولید، بشر بن ولید اور ابو یعلیٰ رازی کو کہتے ہوئے سنا کہ ہم نے ابو یوسف کو کہتے ہوئے سنا کہ:

”میں نے کوئی ایسا قول نہیں کیا جس میں میں نے ابوحنیفہ کی مخالفت کی مگر یہ کہ وہ ایسا قول ہوتا جو خود ابوحنیفہ پہلے کہہ چکے ہوتے پھر بعد میں اس سے رجوع کر لیتے۔“

گردری نے نیسا پوری سے حکایت کی کہ ابو یوسف جب منصب قضا پر فائز کیے گئے تو ان کے پاس اسماعیل بن حماد بن امام ابوحنیفہ آئے، اسی وقت ان کے پاس دو فریق اپنا مقدمہ لے کر بھی آ گئے، جب فیصلے کی گھڑی آئی تو امام کے قول پر فیصلہ دیا۔ اسماعیل نے کہا آپ تو اس مسئلے میں امام کے مخالف نظر یہ رکھتے تھے؟ ابو یوسف نے جواب دیا ہم لوگ اس لیے مخالفت کرتے تھے کہ ان کے پاس جو کچھ علم ہے وہ نکال لیں اور جب فیصلے کا وقت آتا ہے تو ہماری رائے شی کی

رائے سے بڑھ کر نہیں ہوتی۔ (۹۱) اسی طرح کی حکایت محمد بن حسن سے بھی مروی ہے۔

ابن حوام نے ابراہیم بن احمد بن سہیل سے روایت کی، انہوں نے قائم بن خسان سے، انہوں نے اپنے والد سے، انہوں نے ابویسلم بن جوز جانی سے، انہوں نے محمد بن حسن سے، وہ کہتے ہیں کہ ابوحنیفہ بغداد آئے تو ان کے تمام اصحاب جمع ہو گئے جن میں ابو یوسف، زفر، اسد بن عمرو اور ان کے دیگر حنفی فقہا اصحاب تھے، ان سب کے سامنے ایک مسئلہ آیا ہوا تھا جس کو وہ دلائل سے مزین کر چکے تھے اور اپنے دلائل سے مطمئن بھی تھے، پھر جب یہ رائے ہوئی کہ جب ابوحنیفہ پہلے پہل آئیں گے تو ہم لوگ ان سے پوچھیں گے، جب ابوحنیفہ آئے تو سب سے پہلے ان لوگوں نے وہی مسئلہ پوچھا تو امام ابوحنیفہ نے ایسا جواب دیا جو ان لوگوں کے جواب سے مختلف تھا۔ وہ لوگ حیران ہوئے، ابوحنیفہ تمہیں پر دیکھی پن نے یہی قوف بنا دیا، ابوحنیفہ نے کہا تمہارے اپنی جلد بازی سے کام نہ لو، تم کیا کہہ رہے ہو؟ ان لوگوں نے کہا آپ جیسے حکیمان بیان کر رہے ہیں ایسا کچھ بھی نہیں۔ امام نے کہا کچھ دلیل بھی آپ کے پاس ہے یا نہیں؟ انہوں نے کہا جو کچھ کہہ رہے ہیں اس کی پوری دلیل ہے، امام نے کہا پھر پیش کرو، ان لوگوں نے دلیل دی امام نے ان سے مناظرہ کیا اور دلیل سے ان پر غالب آ گئے یہاں تک کہ وہ سب ابوحنیفہ کے قول کے محترف ہو گئے اور یقین کر لیا کہ وہ سب غلطی پر تھے، امام نے کہا اب کچھ بھی آ گیا؟ جواب دیا ہاں، پھر کہا کیا خیال ہے تمہارا اگر کوئی یہ کہے کہ تمہارا قول ہی صحیح تھا اور اب جو قول تم نے اپنا یا وہ غلط ہے؟ لوگوں نے کہا ایسا نہیں ہو سکتا، یہی قول صحیح ہے۔ امام نے ان سے مناظرہ کیا اور پھر اس قول کی غلطی کا انہیں اعتراف کرنے پر مجبور کر دیا، وہ کہنے لگے ابوحنیفہ تم نے ہمارے ساتھ ظلم کیا، ہم ہی (۹۰) الحدیث کا لغوی معنی: ایک شخص کی نفس کا کوئی چیز اس کی معرفت جت کے عوض مدت معینہ کے لیے احوار پر فروخت کرے پھر اس شخص سے اسی چیز کو جت فروخت کرے، یہ معنی ہے۔ (مختصا للہایہ، بکا، شرح علیٰ مسلم، نظام رسول معینی ج ۳ ص ۳۴)

حد کا اصطلاحی معنی: ایک شخص کسی تاثر سے دس روپے قرض مانگتا ہے، اور ادا کرتا ہے، پھر اس کو حشاد پھر وہ روپے میں مدت معینہ کے احوار پر۔ (ایک ایک پڑا فروخت کرتا ہے جس کی معرفت جس روپے سے تاثر قرض لینے والا یہی پڑا اس کو رد ہے میں فروخت کرے اور اس کو پانچ روپے یا دس روپے مانگ جائے) (مختصا للہایہ، بکا، شرح علیٰ مسلم، نظام رسول معینی ج ۳ ص ۳۴)

حق پر تھے، امام نے کہا کیا خیال ہے تمہارا اگر یہ کہا جائے کہ پہلا اور دوسرا دونوں ہی قول غلط ہیں، یہاں ایک تیسرا احتمال ہے وہ صحیح ہے؟ لوگوں نے کہا ایسا کبھی نہیں ہو سکا، امام نے کہا سنو اور تیسرا قول پیش کیا، ملاحظہ فرمائیے کہ وہ سب اس کے قائل ہو گئے اور بول پڑے ابو حنیفہ ہم نے جان لیا، امام نے کہا پہلا قول ہی صحیح ہے اور اس کی یہ علت اور دلیل ہے، اس مسئلے میں یہی تین اقوال ہو سکتے ہیں، ہر ایک کی فقہ میں ایک وجہ ہے اور ہر ایک کا مذہب ہے، یہی صحیح ہے اس کو لے لو اس کے علاوہ اقوال کو رد کر دو۔

اس طرح وہ اپنے اصحاب کی فقہی مشق کر لیا کرتے تھے اور مرحلہ وار انہیں فقہی معلومات سے روشناس کراتے۔ اس طرح مسائل میں بے شمار احتمالات کا ذکر ہوتا، کوئی ایک احتمال کسی کے نزدیک راجح ہوتا اور دوسرا دوسرے کے نزدیک، ان میں اکثر احتمال کے موجد خود ہوتے لہذا اکثر مسائل میں اختلاف امام کا ہی اپنے اصحاب کے سامنے پیش کرنے کی وجہ سے ہوتا، اس اعتبار سے ابو یوسف اور محمد کے مذہب کو حنفی مذہب ہی سے تعبیر کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، ان مسائل میں ان کے اکثر احوال کا اعتبار کیا گیا اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے لیسج عرفة (ج) عرفہ میں جمع ہونے کا ہی نام ہے (۹۶)

ابن ابی عوام نے محمد بن احمد بن حماد کے حوالے سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ انہوں نے ابن شہاب سے روایت کیا، انہوں نے حسن بن ابی مالک سے انہوں نے ابو یوسف کو کہتے ہوئے شاکہ ابو حنیفہ کے پاس جب کوئی مسئلہ آتا تو کہتے تمہارے پاس کوئی اثر ہے؟ اگر ہم کوئی اثر روایت کرتے اور ان کے پاس جو کچھ ہوتا وہ روایت کرتے اس کے بعد غور کرتے، اگر وہ قول میں سے ایک سے متعلق آثار کی تعداد زیادہ ہوتی تو اکثر اثر والے قول کو اپنا لینے اور اگر دونوں قول سے متعلق برابر آچار ہوتے تو غور و فکر کے کسی ایک کو لے لیتے۔ ابو حنیفہ اپنے اصحاب سے کہا کرتے تھے کسی کے لیے یہ درست نہیں ہے کہ میرے حوالے سے کوئی گفتگو کرے جب تک وہ یہ نہ جان لے کہ میں نے کس دلیل پر اعتماد کر کے کہا ہے۔

یہی وہ طریقہ تھا جس نے دنیا کے گوش کو فقہ سے مجرب دیا، ان کے علاوہ فقہاء کے سینے مسائل (۱۰۳) مرتب سائیں غلط (۱۰۳) مرتب سائیں ص ۲۵۱ (۱۰۵) لے ص ۲۳۹ مرتب

کے اخذ و رد سے متعلق بالکل کشادہ نہیں تھے بلکہ اکثر کا تو یہ حال تھا کہ جوان کے پاس رائے ہوا کرتی بغیر مباحثے کے اس کو امام کرانے پر اکتفا کر لیا کرتے روز چش آدھ مسائل کے جواب پر ہی اکتفا کر لیتے۔ تاہم امام شافعی نے حجازی اور عراقی دونوں ہی چشموں سے شرح صدر کے ساتھ پوری سیرابی حاصل کی جس کے نتیجے میں دنیاوی پیش آمدہ فرضی مسائل سے جمل حاصل ہو گئی اور فقہ کو خوب نشو و نما حاصل ہوئی، اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اس کی خدمت کا صلہ عطا فرمائے اور ان سب سے اپنی رضا کا اظہار فرمائے، ہر ایک کا اپنا اپنا طریقہ ہے۔

(۱۰۶) لے ص ۲۳۹ مرتب

تاہم امام کا مذہب ہر وہ کے لیے طے کا نام ہے۔ ان کی تفسیلات تحقیق کا سرچشمہ ہیں جن میں "ابو حنیفہ" مالک "شافعی" احمد "ان مسل" عظیم جلدوں میں ہے۔ ہر ایک جلد ان کے نظام میں سے ایک کے تذکرہ پر مشتمل ہے اس کی کتاب میں انہوں نے ائمہ کے حالات کا مختصر مطالعہ کیا ہے اور ہر چھوٹی بڑی چیزوں کا ذکر کر دیا ہے۔ ان کے حالات اور علمی کارناموں پر اتنی ذرا دست تحقیق ہے جس سے محققین کے دل کو طبعک پہنچتی ہے۔ ان کی یہ کتاب ان کے نام کے ذریعہ پر تحقیق سے متعلق سے اب کا اضافہ ہے اس کتاب کے مخالف بڑی تحریف کے متفق ہوں اور یہ احترام کے حق دار ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ میرے نزدیک اس کتاب میں کوئی ایسی بات نہیں جس کا یکھتہ نقصان ہو (مؤلف)

(۱۰۷) امام ابو یوسف نے اپنی کتاب میں اس اثر کو رد کر دیا ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ بے بنیاد دلیل سے مسائل کا حل کرتے تھے، انہوں نے پوری تحقیق سے یہ ثابت کیا ہے کہ شمار مسئلوں میں امام اعظم ابو حنیفہ شری اصول و دواہی کی روشنی میں اپنے حلقوں کے آسانیاں پیدا کرتے تھے، کیوں کہ شریعت نام ہی آسانی کا ہے۔ امام ابو یوسف نے اپنی بات کو بواہر ثابت کرنے کے لیے دلائل اور قرآن کی روشنی میں اس بات سے بھی انکار کیا ہے کہ امام اعظم کی کوئی تفسیر صحابہ الحبل بھی ہے، مبادا ان میں ہمارے اس قول "اگر کسی کے پاس ابو حنیفہ کی کتاب الحبل ہے اور وہ اس کے مطابق اس سے فتویٰ دیتا ہے اس کا کچھ باطل ہے اور اس کی یہی بڑی غلطی ہوگی" کا یہ کہہ کر رد کر دیا ہے کہ اس کتاب کا تفسیر و رد نہیں ہوا، اگر یہ کتاب موجود ہوتی تو اس کا مطالعہ کرنے کے بعد کوئی رائے قائم کی جا سکتی تھی (بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۷)

خلفا کے ساتھ ابو یوسف کے بعض واقعات

جب ابو یوسف پہلی بار خلیفہ کے خاص افراد سے ملے تو دیکھا کہ یحییٰ بن خالد ان سے یہ جاننا چاہتے ہیں کہ انہیں باغی کے بادشاہوں، گزشتہ استوں، ایام عرب، اہلکی داستانوں اور اس کے علاوہ فنون جس کی فنی عہد میں ضرورت ہوتی ہے پر کس قدر مہارت حاصل ہے، ابو یوسف نے جب یہ اندازہ کر لیا تو ان سے بات چیت میں کمی کر دی اور اپنا وقت ان علوم و فنون کے مطالعے پر صرف کیا، تھوڑے ہی دنوں میں اپنی قوت حافظہ اور ذہانت و فطانت کی وجہ سے ان علوم میں زبردست مہارت حاصل کر لی۔ پھر انہیں وزیر بنی۔ بات کا موقع میسر آیا، وزیر ان کی وسعت اطلاع اور مرہبہ علوم میں مہارت سے حیران رہ گیا، اس نے خیال کیا کہ ابو یوسف ان فنون میں پہلے سے ہی وسیع معلومات رکھتے ہیں۔ تاریخ شاہد عدل ہے کہ اس کے بعد اس نے ابو یوسف کی بڑی قدر کرنی شروع کر دی۔

ابن ابی حوام نے ابو عبد اللہ محمد بن ہارون بن محمد عباسی سے روایت کی، انہوں نے اپنے والد سے روایت کی، انہوں نے ابو یحییٰ بن ابی یوسر سے انہوں نے سعید بن عثمان زیات سے وہ اپنے والد سے، ان کا بیان ہے کہ بعد کے روز جعفر جعفر میں ہارون رشید منبر پر تھے کہ ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنا شروع کیا ”خدا کی قسم تم نے برابری کا حق ادا نہیں کیا، ہارون عباسی کے ساتھ عدل و انصاف کا مظاہرہ نہیں کیا، تم نے ایسا کیا ایسا کیا“ اسے گرفتار کرنے کا فرمان جاری ہو گیا، گرفتار کر کے خلیفہ کے پاس لایا گیا، خلیفہ نے ابو یوسف کو بلا بھیجا، ابو یوسف کہتے ہیں میں جب خلیفہ کے پاس گیا تو وہ بیٹھے تھے اور اس شخص کی گردن دار پر چڑھی ہوئی تھی، جلا دھو کر اسے لیے تیار تھے، خلیفہ نے میری طرف متوجہ ہو کر کہا ”یہ شخص اس شخص کے بارے میں کوئی ایسی بات کہو جو مجھ سے کسی نے بھی

(یہ پچھلے صفحے کا حاشیہ) اس لیے یہ ماننے میں کچھ حرج نہیں کہ یہ کتاب امام کی طرف لکھ منسوب ہے۔ امام اعظم سے اس اثر امام کی بی بی میں امام ابو یوسف نے امام محمد کی طرف منسوب کتاب الحبل کا بھی اظہار کیا ہے بلکہ اس شخص میں امام محمد کے دو شاگردوں ابو یسحاق جہز جانی اور امام ابو حفص کی رائے نقل کی ہے۔ ابولقاسم امام محمد کی تصانیف میں اس نام کی کسی کتاب کو بعد اس کے دراقوں کی کارروائی سمجھتے ہیں اور امام محمد کی تصنیف میں اس طرح کی کتاب کو بالکل خارج از امکان قرار دیتے ہیں، جب کہ دوسرے شاگردانِ حفص اس نام کی کتاب کو امام محمد ہی تصنیف سمجھتے ہیں اور امام سرخسی نے اسی رائے کو ترجیح دی ہے۔ امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ ہمارے لیے کسی نتیجے پر پہنچنا دشوار ہے کیوں کہ دونوں ہی خاص شاگرد ہیں اور ایک کا اظہار دوسرے کا انہاد ضرور کو حق رکھتا ہے۔ ممکن ہے کہ جہز جانی کے مطابق بعد اس کے دراقوں کی ہی ترجیح ہو اور بعد کے لوگوں نے امام محمد کی طرف منسوب کر دی، ہو، مگر جب ای مجموعے کو ابو حفص کے سامنے توفیق کے لیے پیش کیا گیا تو انہوں نے اس کی توثیق کر دی (ملاحظہ از ابو یوسف ج ۱ ص ۱۲۳)

ابو یوسف میں اس کتاب کو کمال اور کمالین کی سند سے امام ابو یوسف کی طرف منسوب کر دیا گیا۔ دیکھئے ناظر الحطب ص ۱۲۲ (مؤلف)

نہیں کہی، ابو یوسف کہتے ہیں میں نے کہا "امیر المؤمنین ابی اکرم ؓ سے بھی اس طرح کی بات کہی گئی ہے، قصہ مختصر یہ ہے کہ نبی اکرم ؐ نے جب ایک بار کچھ تقسیم فرمایا تو کسی نے کہا یہ ایک تقسیم ہے جس سے رضائے الہی کا قصد نہیں کیا گیا، نبی اکرم ؐ نے اس شخص کو کچھ بھی نہیں کہا اسے معاف کر دیا۔" (۹۳)

ایک بار نبی اکرم ؐ کچھ تقسیم فرما رہے تھے کہ ایک شخص نے کہا عدل کرو، نبی اکرم ؐ نے فرمایا میں عدل نہیں کروں گا تو اور کون کرے گا؟ اس شخص کو بھی آپ نے معاف فرمادیا (۹۴) بلکہ اس سے سخت الفاظ آپ کو اس وقت کہے گئے جب آپ کے پاس زہر اور ایک انصاری کا مقدمہ آیا آپ ؐ نے زہر کے حق میں فیصلہ دیا، دوسرے فریق نے کہا یا رسول اللہ آپ نے ان کے حق میں اس لیے فیصلہ کیا کہ وہ آپ کی پوجہ بھی کا رہا ہے، نبی اکرم ؐ نے اس شخص کو بھی معاف فرمادیا (۹۵) کہتے ہیں اس کے بعد ہارون رشید کا قصد شفا ہو گیا اور حکم دیا کہ اس شخص کو رہا کر دیا جائے۔

ابن ابی حوام نے ابو یحییٰ بن میسرہ (عن محمد بن داؤد عباسی) کے واسطے سے بیان کیا، وہ کہتے ہیں ہم لوگ بغداد میں تھے کہ رمضان کا مہینہ آ گیا، ہم لوگ ہر شام ہارون رشید کے گھر جایا کرتے تھے، جب عصر کی نماز سے ایک مرتبہ قارخ ہوئے تو عبید اللہ بن عباس، داؤد بن یحییٰ اور عبید اللہ بن سلیمان کو اندر آنے کی اجازت ملی، ان کے بعد قاضی ابو یوسف، ابن عمران علیہ اور حسن لوہوی کو اندر داخل ہونے کی اجازت ملی، یہ لوگ ہارون رشید کے سامنے فقہی گفتگو میں مصروف رہا کرتے جب سورج نکل آیا ہمیں داخل کی اجازت ملی۔ ایک دن رشید ان کے پاس آئے اور کہا "مجھ سے جو پوچھنا ہے پوچھو، حسن لوہوی نے ایک بڑا پیچیدہ مسئلہ پوچھ دیا، ابو یوسف نے ان کی طرف متوجہ ہو کر کہا اس طرح کے مسائل امیر المؤمنین سے نہیں پوچھے جاتے ہیں، پھر کہا امیر المؤمنین اس مسئلے میں ابو حنیفہ کا یہ قول ہے اور ان کی یہ دلیل ہے، امیر المؤمنین اس قول کو لینا پسند کریں گے؟ رشید نے کہا ابو حنیفہ کا قول لینا چاہیے، کیوں کہ ان کی دلیل اس بارے میں زیادہ قوی ہے، پھر کہا ابن ابی لیلیٰ کا فلاں مسئلے میں یہ قول ہے اور ان کی یہ دلیل ہے، امیر المؤمنین اس قول کو اختیار کرتا چاہیں گے؟ رشید نے کہا، ابن ابی لیلیٰ کا قول

کیوں کہ ان کی دلیل زیادہ قوی ہے۔

راوی کہتے ہیں جب ہم لوگ لوٹ آئے تو ابو یوسف نے لوہوی سے مخاطب ہو کر کہا "اے کمزور انسان! اس طرح بے چہدہ مسئلے خفا سے پوچھے جاتے ہیں؟ اگر ہم میں سے کسی سے پوچھ لو تو وہ نہیں بتا سکتا کہ "لوہوی نے کہا پھر انہوں نے ہم سے یہ کیوں کہا جو باپو پوچھو، پھر کہا رشید جب نماز پڑھ لیتے ہیں تو اپنا ہاتھ حمد کی جگہ رکھتے ہیں اور پھر چہرہ پر ملتے ہیں، حسن نے کہا امیر المؤمنین کا یہ فعل بدعت ہے، اس کی کیا دلیل ہے؟ (امیر المؤمنین سے جب پوچھا تو) انہوں نے کہا میں نے اپنے آپا واجد او کو ایسا کرتے دیکھا ہے اس لیے میں ان کی اقتدا کرتا ہوں۔ ابو یوسف ان کی طرف مخاطب ہوئے اور کہا اسے کچھ بھی علم نہیں، پھر لوہوی سے مخاطب ہو کر کہا کیا تم نے یہ نہیں سنا کہ نبی اکرم ؐ نے ایک شخص پر دم اس طرح کیا کہ اسے ہاتھ پر لعاب دہن لگایا پھر اسے زمین پر رکھا اور یہ کلمات کہے: یرزق بعضنا بترہ ارضنا بعضنا بشفی مریضنا باذن اللہ۔ (۹۶)

جب لوہے تو ہارون نے لوہوی کو مجلس میں شریک ہونے سے روک دیا۔

حسن بن زیاد سے مروی ہے کہتے ہیں ہم لوگ ایک دن ابو یوسف کے دروازے پر ان کا انتظار کر رہے تھے کہ ہم نے دیکھا وہ رشید کے گھر سے مسکراتے آرہے ہیں، پھر کہا آج امیر المؤمنین کے سامنے ایک عجیب مسئلہ پیش ہوا، امیر المؤمنین کے پاس یہ بات پیش کی گئی کہ کارمینیا کے قاضی کے پاس دو عورتیں اپنے گھڑے کا مقدمہ لے کر آئیں، مقدمہ کچھ اس طرح تھا کہ دونوں کہیں سے پانی بھر کر لائیں تھیں، ایک جگہ دونوں نے آرام کرنے کی غرض سے اپنا گھڑا رکھا، اس اثنا میں ایک کا گھڑا دوسرے کے گھڑے پر گر گیا اور دونوں ہی گھڑے ٹوٹ گئے دونوں اپنا مقدمہ قاضی کے پاس لے کر آئیں اور ہر ایک دوسرے کے بارے میں کہنے لگی کہ اس کا گھڑا میرے گھڑے پر گر پڑا اور ٹوٹ گیا، قاضی دونوں کو دیکھنے لگا اور مدعی اور مدعی علیہا میں کچھ فرق نہیں کر سکا سپاہی سے کہا ان دونوں کو تھوڑی دیر بعد لاؤ، سپاہی نے ان دونوں سے تھوڑی دیر بعد آنے

جو دارالکتب مصر میں جو کتاب اس نام سے ان کی تالیف نہیں ہے کہ چار لوگوں کا گمان ہے کہ ان کی تالیف ہے۔ (مؤلف)

کو کہا تو دونوں شور مچانے لگیں، قاضی نے انہیں دوبارہ ڈالیا، پھر گھڑے کا واقعہ کہنے لگیں، قاضی ان کی طرف دیکھنے لگا اور پھر چڑھائی سے کہا انہیں بعد میں حاضر کرو، پھر دونوں شور مچانے لگیں، قاضی نے چٹائی سے کہا جاؤ دونوں کو دو گھڑے خرید کر دوے دو تاکہ میری جان چھوٹ سکے۔ جب شام ہوئی تو قاضی اپنے ایک خاص آدمی سے بات کرتے ہوئے پوچھنے لگا کہ لوگ ہمارے بارے میں کیا باتیں کر رہے ہیں؟ اس شخص نے کہا لوگ کہہ رہے ہیں کہ قاضی نے گھڑے کا فیصلہ سچ نہیں کیا اس لیے کہ اسے جرم ثابت دینا پڑا، قاضی نے کہا سبحان اللہ! کیا لوگ اس سے خوش نہیں کہ جس مقدمے کا نتیجہ فیصلہ کر سکتا ہوں تو کرتا ہوں اور اگر سچ نہیں کر سکتا تو جرم ثابت دینا ہوتا ہے۔

ابو یوسف کہتے ہیں میں نے کہا امیر المومنین یہ قاضی بڑا دانا انسان ہے اس کا خلیفہ بڑا دانا چاہیے تاکہ وہ جرم ثابت بھی مجھ سکے، رشید نے ہر مہینے ایک ہزار درہم اس کی تنخواہ میں اضافہ کر دیا۔ حسن بن زیاد کہتے ہیں ہم نے ابو یوسف سے پوچھا اس مسئلے کا جواب کیا ہو سکتا ہے؟ ابو یوسف نے جواب دیا اگر ان دونوں نے گھڑا ایسی جگہ رکھا تھا جہاں عام طور پر مسلمان آرام کرنے کے لیے ٹھہرتے ہیں تو ان میں کوئی بھی فیصلی نہیں اور اگر ان دونوں نے اپنے گھڑے مسلمانوں کے آرام کرنے کی جگہ نہیں رکھے تھے، پھر گھڑا چھوٹ گیا تو ہر ایک دوسرے کے حق میں جانی اور قصور وار ہے اور ہر ایک کو دوسرے کے گھڑے کی قیمت چکانی پڑے گی، اور اگر ایک کا گھڑا آرام کرنے کی جگہ پر تھا اور دوسرے کا اس حدود سے باہر تو جس کا باہر قصور اور ٹھہرے گی۔

اسد بن فرات سے مروی ہے کہ ابو یوسف مقدمے کا فیصلہ بارہون رشید کے سامنے کیا کرتے تھے، ایک بار مقدمہ ان دونوں میں سے کسی سے متعلق تھا تو رشید دو دنوں بیٹھنے اور ابو یوسف کی طرف رخ کر لیا یہاں تک کہ فیصلہ ہو گیا، پھر کہا اسی طرح شیخ اور جو میرے ساتھ ہیں سب کو کرنا چاہیے تاکہ یہ یعقوب کا فیصلہ نافذ کیا جاسکے۔

صبری نے وہ واقعہ بھی ذکر کیا ہے جس میں یہ ہے کہ ایک مسلمان نے کسی ذمی کو بالقصہ قتل کر دیا تھا، اس پر دلیل بھی قائم کر دی گئی تھی، قاتل کو قید کر دیا گیا، کچھ لوگوں نے اشعار میں ابو یوسف کی تعریف بنیاد پر کی کہ انہوں نے کافر کے عوض مسلمان کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا، پھر معاملہ رشید تک پہنچا، اس کی خواہش ہوئی کہ قصاص ساقط ہو جائے اور ابو یوسف نے قصاص ساقط

اس لیے کر دیا کہ مقتول کے ولی یہ ثابت کرنے میں ناکام رہے کہ مقتول جزیرہ دار تھا۔ (۹۷) یہ مسئلہ مسلمان اگر کسی ذمی کو قتل کر دے تو اس سے قصاص لیا جائے گا یا نہیں؟ اختلافی ہے، اس کی تفصیل مفصلات میں شرح وسط کے ساتھ مذکور ہے۔ قرطبی نے کہا ابو یوسف نے قاتل کو قید کرنے کا حکم اس لیے دیا تھا کہ مقتول کے حالات کا کچھ پتہ چل سکے جس سے قصاص واجب ہو سکتا تو اس کے قاتل سے قصاص لیا جاتا یا کوئی ایسی مقتول وہ سامنے آ سکتی جس سے قصاص ساقط کر دیا جاتا، لہذا جب یہ ظاہر ہو گیا کہ ایسی مقتول وہ موجود ہے تو قصاص لینے کا حکم واپس لے لیا۔

خالفین نے اس بات پر اعتراض کیا ہے کہ اگر ان کے نزدیک قصاص واجب ہو گیا تھا تو اس حیلے سے کیسے اسے ساقط کر دیا اور اگر قصاص ثابت ہی نہیں ہوا تھا تو اب لو! واجب ہی کیسے کیا؟ قرطبی نے خالفین کے اس اعتراض کو مقام اجتہاد پر اعتراض گردانا ہے، اس کے بعد اس پر تفصیل کے ساتھ دلائل ذکر کیے ہیں اور وہ دلائل بڑے خوب ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ رشید کی خواہش شریعت کے اس حکم کے مطابق تھی جس سے قصاص ساقط ہو جاتا ہے، مگر ابو یوسف کے نزدیک قصاص واجب ہو چکا ہوتا تو وہ اس کو قید ہی نہیں کرتے بلکہ اسی وقت اس کو نافذ کرنے کا حکم صادر کرتے۔

ابن عبد البر نے کہا ابو یوسف چیف جسٹس ہیں انہوں نے تین خلفاء کے عہد میں قضا کا فرائض انجام دیا، منصب قضا پر عہد کی کچھ عہد تک فائز رہے، ہادی کے زمانہ خلافت میں اسی منصب پر رہے اور پھر رشید کے زمانے میں بھی اسی منصب پر رہے، رشید ان کا بڑا احترام کرتا تھا، دو ورشید کے نزدیک بڑے مرتبے والے تھے۔ (۹۸)

ابن عبد البر نے ان جریر کے حوالے سے یہ بھی روایت کیا کہ ابو یوسف بڑے فقیہ، عالم، حافظ اور کثیر اللہ تھے، کچھ محدثین نے ان پر رائے کا غلبہ فرائی مسائل کا احترام، خلیفہ

(۱۰۸) کاغذ ابی حنیفہ ج ۱ ص ۱۰۸ (۱۰۹) تاریخ بغداد ج ۱ ص ۲۴۱
 ہذا باب میں ملوثی کی کتاب ابو یوسف اور ان کے اصحاب سے متعلق سب سے زیادہ مفید ہے، ساقی کی کتاب میں ان کے حوالے سے بھری ہیں، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ جلد از جلد منظر عام پر آجائے، اہل علم اور صبری کی کتاب میں جانے کے لیے تیار ہیں، یہ دونوں کتابیں ایسی ہی مفید و ضروری بہت ساری ہیں۔ (مؤلف) (خیر حاشیہ ص ۵۶)

کی محبت اور منصب قضا پر رہنے کی وجہ سے ان کا حدیث سے اجتناب کرنا بیان کیا ہے (۹۹)۔ اس کے بعد ابن عبد البر نے کہا گھبراہٹ میں ان کی تعریف کیا کرتے تھے اور ان کی توثیق بھی کرتے تھے لیکن دوسرے تمام محدثین تو وہ ابوعبیدہ اور ان کے اصحاب سے دشمن کی طرح سلوک کرتے ہیں۔

ابن عبد البر جب مشرق اسلامی کی طرف کوچ کر گئے تو مشارقہ کے بہت سارے ایسے اقوال جو احناف کے خلاف تھے ان کی نگاہ سے اوجھل ہو گئے، اس سے قبل انہوں نے ان میں سے بہت سارے اقوال نقل کیے تھے۔ محدثین کی احناف سے تنگ نظری کے اسباب نسبتاً البطل (۱۰۰) میں مفصل مذکور ہیں۔

پچیدہ مسائل کا حل اور فقہی تدابیر

امام ابو یوسف کی طرف بہت سارے ایسے مسائل منسوب ہیں جن میں لوگ حرج کا شکار تھے آپ نے اپنی وقت فہم سے ان سب میں ایسے حلے نکالے جس سے لوگوں کے لیے آسانیاں پیدا ہو گئیں اور مشکلات سے بخوبی جان چھوٹ گئی۔ میں نے ذہنی کی کتاب زغل العلم پر جو حاشیہ لکھا ہے اس میں ذکر کیا ہے کہ اسلامی قوانین میں ایسا حیلہ تلاش کرنا جس سے قوانین ہی بے معنی ہو جائیں ان اشخاص سے صادر ہو سکتا ہے جن کا ایمان کمزور اور جن کا یقین ہمارا ہے تاہم مازق اور مجید کی سے نکلنے کے لیے احقاقِ باطل اور ابطال حق کے بغیر ہر ایک مینی سے حیلے اس طور پر تلاش کرنا کہ نص سے کوئی تضاد لازم نہ آئے واللہ رسول کے نزدیک پندیدہ امر ہے، سلف اور خلف کا طریقہ کار ہے، اور ان میں مختلف وجود پیدا کرنا قوت و ہانت اور براعت استدلال کی نشانی ہے۔ بشرطے کہ کوچ کوچوٹ اور جھوٹ ثابت نہ کیا جائے۔

جرات مند اقدام کر کے حیلہ تلاش کرنے والے قضاۃ کا تعلق دیر تک منصب قضا سے رہا ہے۔ برے حیلوں میں ایک یہ ہے کہ ایسے شاذ قول پر فتویٰ دیا جائے جس کی کوئی دلیل نہ ہو اور بھی تو ایسی ضعیف روایتوں پر اس دلیل کا دھماکہ ہو کر نقد و نظر کے آگے ذرا بھی نہ ٹھہر سکے، ایسا وہ لوگ کرتے ہیں جن کا زہد و ورع سے بہت کم تعلق ہوتا ہے، ایسوں کا اللہ ہی گھبراہٹ ہے۔

امام ابو یوسف کی طرف جو یہ منسوب ہے کہ انہوں نے کسی شرعی مسئلے میں حیلہ اختیار کر کے ایسا جواب دیا تھا جس کی بنیاد پر وہ رشید سے قریب ہو گئے تھے اور جس کی بنیاد پر انہیں منصب قضا ملا تھا، بالکل ایسا ہی جھوٹا ہے جیسا کہ امام مالک کی طرف یہ منسوب ہے کہ انہوں نے رشید کے

(بڑے پچیدے مسئلہ کا حاشیہ) کا حاشیہ میں ہمیری کی کتاب احیاء اسی حلیہ ۱۸۸۵ء میں عالم کتب بیروت سے چھپ کر منظر عام پر آچکی ہے، مرقم نے جب کہ اس سے استفادہ کیا ہے۔ ابن ابی عمیر کی کتاب اب تک لائبریری کی زینت ہے ماضی قضا سے دعا ہے کہ وہ بھی جلد از جلد چھپ کر منظر عام پر آجائے (مترجم)

لیے مسائل میں رخصت پیدا کر دی تھی، جس کا بیان السر المعزو الیہ میں ہے۔ اس کے مجموعہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ابو یوسف تو مہدی کے زمانے میں ہی عہدہ قضا پر فائز ہوئے تھے، ہادی کے زمانے میں بھی قضا سے منسلک رہے اور یہ سلسلہ رشید کے عہد تک چلا رہا جیسا کہ معانی وغیرہ نے ذکر کیا ہے اور اس مدت میں انہوں نے کسی طرح کی کوئی چال چلی یا نکل نہیں کی جیسا کہ ان کی کتاب الحراج کے مقدمہ صادر ان کی حیات پر لکھی جانے والی کتابوں سے ظاہر ہے۔

تذکرہ نگاری بالخصوص علماء احناف وشافعی سے متعلق تذکروں میں ذہبی کا محتاط رویہ معروف ہے، انہوں نے ابو یوسف کے علم کو فضل مزید وورع پر پورا ایک جز تالیف کیا ہے اور اس رسالے میں خوب تعریف کی ہے، اس کے باوجود انہیں کے شاگرد ابن الدین بنکی نے الطبقات الکبریٰ (ج ۱ ص ۱۹) میں کئی احناف اور شوافع ائمہ پر ان کی زبان درازی نقل کی ہے۔ محمد بن حسن نے ”تصحیح“ (۱۰۱) کے بارے میں کہا یہ میرے نزدیک چباز کے مثل ہے، ابو یوسف نے جو اس کو بائز قرار دیا ہے تو لوگوں نے اس کو یمن کے مالک کی طرف لوٹ جانے کی صورت پر محمول کیا ہے، لہذا ان دونوں کا اس مسئلے پر اتفاق ہو گیا۔

خطیب نے معانی نہروانی کے حوالے سے تخریج کیا ہے کہ جعفری والدہ جس طرح چاہیں ابو یوسف سے فتویٰ لے لیا کرتیں، وہ ابو یوسف کو حق تعالیٰ بھی دیا کرتی تھیں، ابو یوسف لوگوں کی موجودگی میں اسے لینے سے انکار کیا کرتے تھے۔ (۱۰۲) اس واقعے کی سند میں حسین بن قاسم کوکی ہیں، یہ اخباری ہیں، مناکیر روایت کرنے میں منفرد ہیں، ابن حجر نے لسان المیزان میں ان کے بارے میں کہا یہ مشہور اخباری ہیں، ہمیں نے ان کی عہدہ اسناد کے ساتھ مروی خبروں میں بہت مناکیر پائے۔ اس کے بعد ابن حجر نے وہی بات لکھی جس کا ذکر معانی نے کیا اور ضعیف اخبار کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ یہی وہ ہیں جن کے احوال سے متعلق خطیب کا نظریہ بالکل مثبت ہے کیوں کہ انہیں اس کے نزدیک وہ سب کچھ مل جاتا ہے جس کی انہیں ضرورت ہوتی ہے۔

معانی نے محمد بن حسن بن زیاد نقاش کے حوالے سے ابو یوسف کا جعفری والدہ سے بد یہ لینے کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ (۱۰۳) یاد رہے کہ ”نقاش“ مشہور کذاب ہے۔

بطریق معانی عن محمد بن ابن ہر نصف جاریہ کی بیخ اور نصف کار شدہ کو بہر دینے کا ابو یوسف

کا فتویٰ بھی نقل کیا ہے تاکہ باندی کے مالک (جس نے یہ قسم کھا رکھی تھی) کہ نہ تو اسے بیچے گا اور نہ ہی بہر کرے گا) کا حواصت ہونے سے بچایا جاسکے، (۱۰۴) اس کے ساتھ ساتھ دو صفحات میں کئی ایک دلچسپ لیلیوں کا بھی ذکر ہے، جب کہ اسی ابن ہر کے بارے میں خطیب نے ہی (ج ۳ ص ۲۸۸ رمیں) لکھا ہے کہ یہ بڑا جھوٹا تھا اس کے کذب کی برائی بڑی مشہور تھی۔

عقلی نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ ابو یوسف قیوں کا مال مضاربہ کے طور پر دے دیا کرتے تھے تاکہ اس کا منافع خود لے سکیں، (۱۰۵) اس کی سند میں ”احمد بن علی آبار“ ہے، ہمارے اصحاب کے خلاف اس کا تعصب بڑا عجیب و غریب قسم کا ہے جیسا کہ خطیب کے نزدیک اس کی مروی روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے اور محصب، سرکش شخص کی روایت محمد بن کے نزدیک غیر مقبول ہے تاہم یہ بات بھی معلوم رہتا چاہیے کہ جیم کا مال قاضی کے پاس بطور امانت ہوتا ہے اگر اس سے بغیر زیادتی کے ہلاک ہو جائے تو اس پر ضمان واجب نہیں۔ یونہی جیم کے مال پر ان کے مذہب کے مطابق ضامن پر زکا ہے، تو انہوں نے اگر مضاربہ کر لیا تو ضامن کی حیثیت سے کیا، اس لیے کہ اگر مال ہلاک ہو جاتا تو ضمان انہیں پر واجب ہوتا، اور زکا بھی انہیں پر تھی نہ کہ جیم پر، تو اگر انہوں نے مضاربہ کے ذریعے مال میں اضافہ کیا اور منفعت کے طور پر جیم کو کچھ دے دیا تو یہ احسان پر احسان ہوگا، جیسا کہ ابو یوسف کی عادت بھی تھی۔ جہاں تک جیم کے مال میں تصرف کرنا اور معروف طریقے پر اس سے کھانے کی بات ہے تو بخاری کی شرحوں میں کتاب وصت کی روشنی میں اس کا واضح بیان ہے اور اس بارے میں خلا کا اختلاف بھی معروف ہے۔ بغرض محال یہ مان بھی لیا جائے کہ ابو یوسف سے جیم کے مال میں تصرف ثابت ہے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں، اور اس پر لعن و طعن وہی شخص کر سکتا ہے جس کا علمی دائرہ تنگ اور مطالعہ محدود ہو۔

موفق نے ذکر کیا ہے کہ ابو یوسف سے ایک مرتبہ پوچھا گیا کہ اس کا حل کیا ہے کہ اگر کسی نے یہ قسم کھائی کہ اس نے ایسا کیا تو اس کا سارا مال صدقہ ہے؟ جواب دیا وہ شخص اپنا مال کسی معتد شخص کو دیدے، پھر کچھ ایسا کرے جس سے وہ شخص اس کا مال سے لوٹا دے۔ کسی شخص نے کہا اللہ تعالیٰ نے یہودیوں پر اسی وجہ سے تو لعنت فرمائی کہ ان پر چرچیاں حرام کر دیں مگر وہ اس سے راسل شدہ قیمت کھایا کرتے تھے؟

ابو یوسف نے کہا اے لکھ! اس میں اور لعن بیہود کے مسئلے میں کوئی مناسبت نہیں، بیہودیوں کی نیت یہ ہوا کرتی تھی کہ ایسا حیلہ تلاش کریں جس سے اللہ تعالیٰ کی جانب سے حرام کی ہوئی چیزیں اس کے لیے حلال ہو جائیں اور یہ تو اس کا مال ہے، جو اس کے لیے حلال ہے اور وہ ایسا حیلہ تلاش کر رہا ہے جس سے اس پر حرام نہ ہو جائے۔ (۱۰۶)

لوگوں سے خرچ کو دور کرنا ایک فن ہے جس کی بھینٹا کوئی ہو سکتی ہے۔ علامہ وقت استاذ عمر ابو ہریرہؓ استاذ شریعہ بکلیہ حقوق کا ہر نے اپنی کتاب الاسلام ابو حنیفہ (۱۰۷) میں اس بحث کی پوری طرح چھان بین کی ہے اور اپنی شان کے مطابق زبردست تحقیق سے مزین کر دیا ہے۔

میں نے زغل العلم کے حاشیے میں یہ لکھا ہے کہ ذہبی نے اپنے اس رسالے میں جو محمد بن حسن سے متعلق ہے، بطریق لحاوی (عن احمد بن ابی مران عن محمد بن سہام) ذکر کیا کہ محمد بن سہام کہا کرتے تھے کہ میں نے محمد بن حسن کو کہتے ہوئے سنا کہ یہ کتاب ہماری کتابوں میں سے نہیں، ہماری طرف وہ زبردستی منسوب کر دی گیا ہے۔

امام محمد کی مراد کتاب الحیل ہے، یہ کتاب اسی زمانے میں ایسے لوگوں کے ہاتھوں پائی جارہی تھی جن کا علم و تقویٰ سے کچھ بھی تعلق نہیں تھا۔ اس کتاب میں مؤلف کا نام مذکور نہیں تھا، اس لیے لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ ابو حنیفہ کے اصحاب کی یہ کتاب ہے جب کہ حقیقت اس کے برخلاف ہے۔ شمس الاعتراف سرخسی نے اپنی کتاب المبسوط (ج ۳، ص ۲۰۹) میں لکھا ہے:

ابو مسلمان جوز جانی اس کا انکار کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ جو شخص یہ کہے کہ محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الحیل نامی کوئی کتاب تصنیف کی ہے اس کی تہدیب نہ کرو، لوگوں کے ہاتھوں میں اس نام سے جو کتاب ہے وہ بغداد کے کاتبوں نے جمع کی ہے، چاہلوں نے ہمارے علمائے کرام رحمۃ اللہ علیہم کی طرف ایسی باتیں صرف اس لیے منسوب کر دیں کہ ان کو شرمندہ کیا جائے۔ امام محمد رحمہ اللہ کے بارے میں ایسا کیسے خیال کیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے اپنی کسی تصنیف کا ایسا نام رکھا جو چاہلوں اور بکواس کرنے

والوں کے لیے مددگار ثابت ہو سکے۔ ہاں ابو حنیفہ کہا کرتے تھے کہ یہ محمد رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے اور وہ ان سے اس کی روایت بھی کیا کرتے تھے، یہی اصح ہے۔

سرخسی نے قرآن و سنت سے حیلے کے جواز پر بہت ساری دلیلیں دی ہیں اور ایک لمبی بحث کی ہے۔ حیلے کا مفہوم فقہاء کے نزدیک ”مکر“ نہیں، بلکہ ایسا اسی لطیف تدبیر کا نام ہے جس سے انصاف میں نکر اور کے بغیر نجات کی راہ نکال لی جائے۔ جوز جانی اور ابو حنیفہ بیکار بخاری محمد بن حسن کی کتابوں کے دو بڑے راوی ہیں۔ جوز جانی کی فنی اور ابو حنیفہ کے اثبات سے میں جو کچھ سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ دونوں قول کسی ایک کتاب کے بارے میں نہیں، بلکہ فنی کا تعلق اس کتاب سے ہے جس کے مسائل سن گھڑت ہیں اور شریعت کی حکمت کے خلاف ہیں جس سے ہمارے اصحاب بری ہیں، اور اثبات کا تعلق اس بات سے ہے کہ ایسے مسائل جو انسان کو دشواری سے نکال لائیں اور حرج میں پڑنے سے محفوظ رکھیں، جس کو ابو حنیفہ کبیر نے محمد بن حسن سے حاصل کیا، اور جس سے حق کو باطل اور باطل کو حق ثابت کرنے کا شاہد نہیں ہوتا اور نہ ہی شریعت کی حکمت میں کوئی خلل واقع ہوتا ہے۔ لہذا جوز جانی اس سن گھڑت کتاب کی امام محمد سے فنی کرنے میں حق بجانب ہیں اور یوں ہی ابو حنیفہ ان حکیمانہ مسائل جو انسان کو پیچیدگیوں سے باہر کر دیں کا نام محمد سے انتساب اور اثبات کرنے میں حق بجانب ہیں۔ یہ ابو حنیفہ کبیر، احمد بن حنیفہ بن زبرقانؓ علی بخاریؓ ہیں جو امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مخالفین میں سے ہیں۔ بخارا سے عہد قدیم میں ہی عراق آ گئے تھے، لہذا محمد سے دور و باتیں نہیں جو جوز جانی نہیں سن سکے تھے، اور جو جوز جانی نے محمد بن حسن سے سنا مثلاً لیسہ الکبیرہ ابو حنیفہ نہیں سن سکے تھے، کیوں کہ وہ بخارا بہت پہلے ہی لوٹ چکے تھے تاکہ لوگوں کے لیے اس کتاب کو عام کیا جاسکے، لہذا فنی اور اثبات دونوں کا تعلق کسی ایک کتاب سے نہیں ہے، اس کی تائید ان مسائل سے بھی ہوتی ہے جو شمس الاعتراف نے ابو حنیفہ سے روایت کی ہے کیوں کہ وہ ایسے مسائل نہیں ہیں جو حکمت شرع کے خلاف اور حق کے منافی ہوں۔ ابو حنیفہ بہت بڑے امام ہیں جیسا کہ بیان ہوا کہ پہلے ہی عراق آئے تھے، بخارا جب لوٹے تو علم و حکمت کا پہاڑ لے کر لوٹے اور وہاں اس حد تک علم پھیلا دیا کہ بخارا علم

فُن میں اسلام کا مرکز بن گیا۔ اہل بخارا نے ان سے جامع ثوری، مصنفات ابن مبارک اور مصنفات و کتب کی سماعت کی اور علم فقہ حاصل کیا یہاں تک کہ بخارا کا قریہ قریہ ان کے اصحاب فقہا کی جماعت سے بڑھ گیا۔ سمعانی نے باب الحبیزا حزی (یہ بخارا کا ایک گاؤں ہے) کے تحت لکھا:

اس گاؤں میں فقہا کی ایک جماعت تھی جو ابو حفص کبیر کے اصحاب تھے۔

یہ امام بخاری (صاحب صحیح) کے ابتدائی اساتذہ میں سے بھی ہیں، امام بخاری نے اپنا علمی سفر شروع کرنے سے پہلے ان کی شاگردی حاصل کی تھی۔

خطیب کی تاریخ (ج ۲ ص ۷) میں ہے:

امام بخاری (صاحب صحیح) نے ابن مبارک اور کوچ کی کتابیں یاد کیں اور ان لوگوں (یعنی اہل رائے) کے کلام کی معرفت حاصل کی، اس وقت ان کی عمر صرف سولہ سال تھی۔

اسی میں (ج ۲ ص ۱۱) ہے:

امام بخاری (صاحب صحیح) نے جامع ثوری امام ابو حفص سے سماعت کی۔

خطیب نے امام بخاری (صاحب صحیح) کا امام ابو حفص کی درسگاہ میں ایک ایسی حکایت کا بھی ذکر کیا ہے جو جوانی میں ہی بخاری (صاحب صحیح) کے حفظ و اتقان کی شاہد ہے۔ امام ابو حفص کے صاحبزادے ابو عبد اللہ جو ابو حفص صغیر سے جانے جاتے ہیں ان لوگوں میں سے ہیں جن کو بخاری نے طلب علم میں اپنا رفیق بنایا تھا، وہابی نے سیر اعلام النبلا میں ان کی تعریف کی ہے، عبدالحی کہنوی نے الفوائد البھیة میں ان کا تذکرہ لکھا ہے، اور امام بخاری کو بخارا سے نکالے جانے کا واقعہ بھی ان سے ہی مروی ہے، ان کے والد سے یہ واقعہ مروی نہیں کیوں کہ ان کی وفات اس واقعے سے پہلے ہی ہو چکی تھی۔ ان کی کئی تصنیفات ہیں، السرد علی اہل الاہواء ان میں سے ایک ہے۔ ابو بکر محمد بن جعفر زرقی نے تاریخ بخاری (جس کی تالیف

انہوں نے نوح بن نصر بن احمد بن اسماعیل سامانی کے لیے ۳۳۲ھ میں کی) میں جہاں بخارا کے علاقے ”دورقہ“ (یعنی قریہ کا دروازہ) کا تذکرہ کیا ہے، لکھا ہے:

ابو حفص کبیر بخاری اسی جگہ کے رہنے والے تھے، یہاں سے کوچ کر کے بغداد گئے، محمد بن حسن شیبانی سے علم فقہ حاصل کرنے کے بعد واپس آئے، وہ علم اور تقویٰ کے جامع تھے، اس علاقے میں ان کی طرح کوئی بھی نہیں تھا، ان کا شمار ان لوگوں میں تھا جن پر اہل بخارا فخر کیا کرتے تھے، بخارا میں انہیں کی وجہ سے علم پھیلا یہاں تک کہ اسلام کا مرکز بن گیا اور انہیں کی وجہ سے بخارا کے علما اور ائمہ قدر کی نگاہ سے دیکھے گئے۔

اس کے بعد ابو بکر زرقی نے ذکر کیا کہ کس طرح امرا و سلاطین ان سے خوف کھایا کرتے تھے، امیر محمد طالت کا واقعہ ذکر کیا کہ کس طرح وہ ان کی اجازت کے بعد ان سے ملے آئے اور جب تک بیٹھے بیٹھتے کی وجہ سے ایک بات بھی نہیں کر سکے یہاں تک کہ واپس چلے گئے، ان کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ:

میں نے کئی خلفا اور بڑے بڑے سلاطین کے پاس گیا مگر مجھے اس قدر حیرت کہیں بھی نہیں ہوئی۔

کثرتِ عداوت کا بھی ذکر کیا ہے، جس کا عالم یہ تھا کہ وفات تک ان کا معمول تھا کہ روزانہ آدھا قرآن کریم تلاوت کر لیں۔ حافظ بخارا محمد بن سلام بخاری کے حوالے سے نقل کیا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو ایک شب خواب میں دیکھا کہ اونٹ پر سوار بخاری کی طرف تشریف لارہے ہیں، حکایت کے مطابق سر مبارک پر ایک سفید ٹوپی تھی، لوگ نبی اکرم ﷺ کی تشریف آوری سے بڑے خوش تھے، انہوں نے ابو حفص کے گھر میں نبی اکرم ﷺ کو اتارا اور دیکھا کہ ابو حفص نبی اکرم ﷺ کے سامنے بیٹھے کوئی کتاب پڑھ رہے ہیں، نبی اکرم ﷺ سماعت فرماتے اور اس کی تصدیق فرماتے۔ اس کے بعد یہ لکھا کہ ابو حفص کی وفات ۲۱۷ھ میں ہوئی اور مقام ”مسل“ میں دفن کیے گئے، جس کو ”مسل ابی حفص“ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ وہاں کئی مسجدیں اور عبادت خانے ہیں جس میں عبادین بھی رہتے ہیں، لوگ اس جگہ سے برکتیں حاصل کرتے ہیں۔ علاقے

عراق اپنے مشکل مسائل ان سے اور ان کے اصحاب سے حل کیا کرتے تھے۔ اس کے بعد علم و تعلیم اور عبادت سے ان کی دلچسپی کا ذکر بھی کیا ہے اور ان کے صاحبزادے ابو حفص صغیر کا علمی مقام بھی بیان کیا ہے۔ ابو نصر احمد بن محمد بن نصر قبادی نے اس تاریخ کو قاری میں ۵۲۲ھ میں منتقل کیا اور ۵۷۵ھ میں محمد بن زفر بن عمر نے اس کی تخریص کی ہے۔ قاری ترجمہ ۱۸۹۳ء میں پیرس سے شائع ہوا ہے، عربی کا ایک حصہ بھی وہاں سے شائع ہوا۔ جو حفص اس عظیم امام کے علم و تقویٰ اور بزرگی سے واقف ہے تو کم از کم اپنی جہالت کو علمائے درجات اور مرآب جاننے کا معیار نہ ٹھہرائے، اگر اس حقیقت سے بہرہ ور ہونا چاہتا ہے تو اصل کتاب اور ترجمہ ۵۴۳ھ میں ۵۶۰ کا مطالعہ کرے۔

امام ابو یوسف کی وفات

ابن ابی عوام نے محمد بن احمد بن حماد سے روایت کیا، انہوں نے احمد بن قاسم برقی سے انہوں نے بشر بن ولید سے کہ قاضی ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ۵ ربيع الاول ۱۸۲ھ بروز جمعرات بوقت ظہر ہوئی۔ خطیب نے خلیفہ بن خیاط، یعقوب بن سفیان اور ابو حسان زیادہ سے مذکورہ تاریخ وفات پر اتفاق نقل کیا ہے تاہم یعقوب نے ربيع الاول کے بجائے ربيع الآخر ذکر کیا ہے، یعقوب نسوی کے خلاف عمدہ قول بشر بن ولید کا ہے کیوں کہ وہ ان کے ان اصحاب میں سے ہیں جو ہر وقت ان کے ساتھ رہا کرتے تھے۔ چشم بن عدی نے ۲۳۰ھ تاریخ وفات بتائی ہے وہ سبقت قلم کا نتیجہ ہے۔ یونہی ۱۸۱ھ بھی سبقت قلم کی دلیل ہے جس کی نسبت صمری کے نزدیک خلیفہ بن خیاط کی طرف کی گئی ہے۔ صمری نے واقدی سے بطریق ابن سعد ۱۸۲ھ سنوفات بتائی ہے، (۱۰۸) اس طرح وہ مجبور کے ساتھ ہیں۔

خلیب نے بطریق بکرانی (عن عبدالرحمن الحلال عن محمد بن احمد بن یعقوب عن ابیہ) ذکر کیا کہ میں نے شجاع بن مخلد کو کہتے ہوئے سنا کہ ہم لوگ قاضی ابو یوسف کے جنازے میں شریک ہوئے، ہمارے ساتھ عباد بن عوام بھی تھے، میں نے کہا کہ کہتے ہوئے سن مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ ابو یوسف کے بارے میں ایک دوسرے کو آپس میں تعزیت کریں۔ (۱۰۹)

ابن ابی عوام نے طحاوی سے روایت کیا انہوں نے ابن ابی عمر ان سے انہوں نے داؤد بن وہب سے، وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے عبدالرحمن قواس نے بیان کیا (ابن ابی عمر ان کہتے ہیں میں نے ابن جحیٰ کو کہتے ہوئے سنا کہ بغداد میں قواس سے افضل کوئی نہیں) قواس کہتے ہیں کہ معروف

کرفی نے پوچھا قاضی ابو یوسف کی کیا خبر ہے؟ جواب دیا، بیمار ہیں، انہوں نے مجھ سے کہا اگر کچھ ہو تو مجھے ضرور بتانا، مجھ سے کچھ نہیں چھپانا تو اس کہتے ہیں کہ میں اسی وقت گیا تاکہ ابو یوسف کی خبر دریافت کر سکوں، جب میں دار فقی کے دروازے پر پہنچا تو دیکھا کہ ابو یوسف کا جنازہ آ رہا ہے اور لوگ اس کے ساتھ آ رہے ہیں، میں جنازے کے ساتھ چلنے لگا، میں نے سوچا اگر واپس ابو محفوظ کے پاس جاؤں تو دوری کی وجہ سے جنازے سے ہم دونوں محروم ہو جائیں گے، جب میں واپس ہوا تو معروف کرفی کے پاس آیا اور انہیں اس حادثے کی اطلاع دی اور کہا کہ اگر میں واپس آپ کے پاس آتا تو بھی آپ کو نماز نہیں مل سکتی، میں نے دیکھا کہ جنازے میں شریک نہ ہونے کی وجہ سے وہ بہت افسردہ ہوئے، میں نے پوچھا آپ کیوں افسردہ ہو گئے؟ انہوں نے کہا میں نے آج رات دیکھا گویا میں جنت میں داخل ہو گیا ہوں، میں نے جنت میں ایک محل دیکھا (اس محل کے اوصاف بھی انہوں نے بیان کیے) میں نے پوچھا یہ محل کس کا ہے؟ جواب ملا قاضی ابو یوسف کا، میں نے پوچھا وہ کس وجہ سے اس کے حق ہوئے؟ جواب ملا ظم پھیلائے اور لوگوں کے ان کی غیبت کرنے کی وجہ سے۔

خطیب نے ایک دوسری سند سے روایت کیا ہے جس کے آخر میں ہے، میں معروف کے پاس آیا، میں نے انہیں اس حادثے کی خبر دی، ان پر بڑا گراں گزرا اور انہوں نے کہا اگر انہوں نے جنت میں ان سے پوچھا ابو محفوظ ان کے جنازے میں شریک نہ ہونے کی وجہ سے آپ کو اس قدر افسردگی کیوں ہے؟ انہوں نے کہا میں نے دیکھا گویا میں جنت میں داخل ہو گیا ہوں، ایک خوبصورت محل ہے جس کی تعمیر مکمل ہو چکی ہے، دروازے لگے جاپکے ہیں، پر دے بھی لگے ہوئے ہیں اور اس میں کسی قسم کی کوئی کمی نہیں، میں نے پوچھا یہ محل کس کے لیے ہے؟ جواب ملا قاضی ابو یوسف کے لیے، میں نے پوچھا کس وجہ سے وہ اس محل کے حق دار ہو گئے؟ جواب ملا

(ترجمہ پچھلے صفحہ ۱۴۵) ابن عمر عن ذکرو العاجز اذ کھو ومالہ الناس و یحذرو الناس (ترجمہ: بڑا کمزور کرنے میں، مال کے کسی بات کی، اس کا ذکر کرتا کہ لوگ اس سے پرہیز کر گئے) انتہی کی حد تک پر غم لگاتے ہوئے فرماتے ہیں فیہذا حدیث یعرف بالجارود بن یزید التیسابوری وانکسر علیہ اهل العلم بالحدیث - (ترجمہ: یہ حدیث جارود بن یزید ثوابی سے منقول ہے، انکسر کے معنی ہیں اس کا انکار کیا ہے) قرطبی نے اپنی تحریر (ج ۱۲ ص ۳۳۹) میں اسی فقرے کے ساتھ یہ حدیث ذکر کی ہے۔

لوگوں کو خبر کا درس دینے اور بھلائی پر ابھارنے اور لوگوں کی ایذا رسانی پر صبر کی وجہ سے۔ (۱۱۰) ابو جراح کے السبشر میں ہے جس کو ابن عبد البر، خطیب، میسر ی اور ابن ابی عوام وغیرہ نے روایت کیا کہ میں نے محمد بن حسن کو خواب میں دیکھا تو پوچھا اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ جواب دیا، "بخش دیا" میں نے پوچھا اور ابو یوسف کے ساتھ کیا ہوا؟ جواب دیا، "وہ مجھ سے بلند مقام پر فائز ہیں" میں نے پوچھا اور ابو حنیفہ کے ساتھ کیا ہوا؟ جواب دیا، "ان کی بات کیا پوچھتے ہو وہ تو اعلیٰ علیین میں ہیں۔"

ابن ابی عوام نے حمادی سے روایت کیا انہوں نے ابن ابی عمر ان سے انہوں نے حسین بن عہد یہ رواق سے، وہ کہتے ہیں کہ جب ابو یوسف کا جنازہ نکلا گیا تو حاضرین میں ابو یعقوب حریجی بھی تھے، لوگ کہنے لگے فقی موت ہو گئی، فقی کی موت ہو گئی، ابو یعقوب یہ شعر پڑھتے گئے:

بنا ناعی الفقه الی اہله ان مات یعقوب ومایدری
لم یمت الفقه ولکنہ حول من صدر الی صدر
القہا یعقوب الی یوسف فزال من طہر الی طہر
فہو مقیم فذا ما لوی حل وحل الفقه فی قبر (۱۱۱)

(ترجمہ: اے فقی موت کی خبر دینے والے، یعقوب کا اگرچہ انتقال ہو گیا ہے مگر فقی موت نہیں ہوئی بلکہ ایک سینے سے دوسرے سینے کی طرف منتقل ہو گیا ہے۔ یعقوب نے یوسف کے سینے میں ڈال دیا، اس طرح ایک پاک ہستی سے دوسری پاک ہستی کی طرف اس کا انتقال ہو گیا اور وہ زندہ ہیں، جب ان کا انتقال ہو جائے گا اور لوگ انہیں قبر میں ڈال دیں گے تو اس وقت فقی ہی ان کے ساتھ قبر میں چلا جائے گا)۔

محمد بن احمد بن حماد سے مروی ہے، انہوں نے محمد بن یعقوب حریجی سے روایت کیا، انہوں نے ابو حسان زیاد بن حسن بن عثمان سے، وہ کہتے ہیں کہ ابو یوسف ہارون رشید کے قاضی تھے، ابو یوسف نے اپنے صاحبزادے یوسف کو منصب قضا پر فائز کر دیا تھا، وہ اپنے والد کے ساتھ فیصلہ کیا کرتے تھے، جب ابو یوسف کا انتقال ہو گیا تو ہارون نے ان کے صاحبزادے یوسف کو اس منصب پر برقرار رکھا اور وہ اس منصب پر اپنی وفات تک فائز رہے۔ امام ابو یوسف کے صاحبزادے محمد بن

جعفر سے مروی ہے، وہ حسن بن حماد جعفری سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو یوسف کے صاحبزادے یوسف سے سنا کہ میں قضا پر فائز کیا گیا اور مجھ سے پہلے میرے والد قضا کے عہدے پر فائز تھے، ہم لوگ تیس سال تک اس منصب سے متعلق رہے اس مدت میں کبھی بھی ہمیں یہ بھٹ نہیں آئی کہ چاروں ان کے بھائی کے کسی مقدمے کا فیصلہ کریں۔

قاضی کو بیچ نے کہا مجھے احمد بن ابی شیبہ نے خبر دی، انہوں نے منفل بن عثمان سے روایت کی، انہوں نے علی بن صالح سے وہ کہتے ہیں کہ موسیٰ (بادی) نے ابو یوسف کو قضا پر فائز کیا اور وہ ہر چیز کا فیصلہ کیا کرتے تھے شریک اس وقت کوفہ میں تھے، ابو یوسف اور عافینے مہدی سے شکایت کی کہ وہ (شریک) ہماری کتابوں سے استفادہ نہیں کرتے اور نہ ہی اس کے مسائل کا نفاذ کرتے ہیں۔

اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ یوسف مہدی کے زمانے میں موسیٰ کے لیے ان کے دروازے پر قضا کا کام انجام دیتے تھے۔

علی بن صالح نے کہا کہ ابو یوسف ہمارے ساتھ اور موسیٰ کے ساتھ مہدی کے زمانے میں جرجان آئے، مہدی نے یوسف کو ان کے والد کی جگہ قاضی بنادیا اور ہم لوگ جرجان میں ہی تھے۔ قاضی کو بیچ نے کہا کہ مجھے ابراہیم بن ابی عثمان نے خبر دی، انہوں نے عبداللہ بن عبدالکریم حواری سے روایت کی، وہ کہتے ہیں کہ ابو یوسف کے صاحبزادے یوسف نیک، مامون اور سچے انسان تھے، ابو یوسف نے اپنی اکثر کتابیں انہیں پڑھائیں، وہ فیصلہ کرنے میں ابو یوسف سے زیادہ برانداشان کے مالک تھے، ہم غورو فکر اور حفظ میں وسیع اکثر نہیں تھے، قاضی کا بیان ہے کہ انہوں نے ابو یوسف سے علم حدیث حاصل کیا۔

رشید ابو یوسف کے جنازے کے آگے آگے چل رہے تھے، اور نماز جنازہ کی امامت بھی کی اور اپنے گھر والوں کے قبرستان میں انہیں دفن بھی کیا، دفن کرتے وقت یہ کہا "مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ ایک دوسرے سے تعزیت کریں۔"

ان کی قبر بغداد کے علاقے کرخ میں واقع قریشی قبرستان میں ہے۔ ان کے قریب محمد الامین اور زبید کی بھی قبر ہے اور بعد میں امام موسیٰ کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی وہیں دفن کیا گیا،

ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر کا ظہیر میں ہے اور لوگ اس کی زیارت کے لیے آتے ہیں۔

ان کے صاحبزادے قاضی یوسف کی وفات ابن حبان کے مطابق رجب ۱۹۳ھ میں ہوئی، خطیب نے ان کا تذکرہ رقم کیا ہے۔ حافظ عبدالقادر قرشی نے کہا ہے کہ یوسف نے کتاب الآثار اپنے والد اور ابو یوسف کے حوالے سے روایت کی وہ ضخیم جلد میں ہے۔ اس کا مطلوبہ نسخہ ناقص ہے، ان کے تذکرے سے متعلق ایک نو جوان ادیب کا ایک رسالہ بغداد میں شائع ہو چکا ہے مگر مجھے وہ رسالہ نہیں مل سکا تاکہ میں اس سے استفادہ کر سکوں، ان کی ایک اچھی کوشش ہے اللہ تعالیٰ انہیں اس کا اچھا صلہ عطا فرمائے۔

ابو یوسف کون ہیں؟ امام ابو یوسف کے ان شاگردوں میں سے ایک ہیں جو وقت کے امام تھے، ابن جریر کی شافعی نے کہا "ان کے شاگرد بڑے بڑے مجتہد امام اور راوی فی العلم تھے جن میں عبداللہ ابن مبارک، ایبہ بن سعد اور امام مالک، ابن سیرین، فرست ہیں، بعض ائمہ کا فرمان ہے کہ مشہور ائمہ اسلام میں کسی کے اصحاب اور تلامذہ اس پایہ کے نہیں ہوئے جس طرح کے ابو یوسف کے اصحاب اور تلامذہ تھے اور جس طرح علما نے ابو یوسف سے استفادہ کیا کسی اور سے نہیں کیا۔ محمد ابن اشیر نے حسانع الاصول میں کہا کہ عہد قدیم سے امت کا ایک حصہ انہیں کے مذہب کا پیروکار ہے۔

علی قاری نے شرح مشکوٰۃ میں فرمایا "امت محمدیہ (ﷺ) کی دو تہائی اکثریت ابو یوسف کے مذہب کی پیروی کر رہے اور اس پر دلیل بھی دی ہے۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عطا کر دے۔"

امام ابو حنیفہ کی ابو یوسف کو گرفتار و وصیت

ابو یوسف نے امام ابو حنیفہ سے اہل سنت کے عقیدے سے متعلق کچھ مسائل روایت کیے ہیں جو ہمارے متکلم اصحاب کے درمیان متداول ہیں۔ یونہی ابو یوسف کی ابو حنیفہ سے "ارجا" سے متعلق وہ روایت بھی متداول ہے جو بصرہ کے عالم عثمان بن عقیق کے رسالے میں مذکور ہے۔ ابو حنیفہ کی ایک اور وصیت ہے جو انہوں نے ابو یوسف کو اس وقت کی جب ان کے اندر چٹکی آگئی تھی، ان کے اچھے کردار کا ہر ہو گئے تھے اور لوگوں میں ان کی مقبولیت ہو گئی تھی۔ اس وصیت میں ابو حنیفہ نے ابو یوسف کو بتایا ہے کہ لوگوں کے ساتھ کس طرح کا معاملہ کیا جائے۔ اس وصیت کی نص یوں مرقوم کی کہ منقاب ابی حنیفہ میں، (۱۱۴) صاحب الفتاویٰ بزاز نے یہی منقاب میں اور ابن نجیم کی الاشیاء والظاہر وغیرہ میں منقول ہے۔ ان کے استاذ نے اس میں اچھے انداز اور حکیمانہ اسلوب میں لوگوں کے ساتھ معاملے کی تلقین کی ہے، اس وصیت میں علمی مراکز اور سائنسوں کے لیے حمایت اور توفیق اور تعلیم و تعلم کے راستے ہیں، مجھ سے یہ گوارہ نہیں ہو سکا اتنی اہم وصیت سے اس کتاب کو خالی رکھا جائے بلکہ اس وصیت کو پڑھیے اور اسے اپنی زندگی کا سرمایہ سمجھیے۔ امام ابو حنیفہ اس میں فرماتے ہیں:

لیتغلب ابداً وادشاہ کی قدر و منزلت کیا کرنا اس کے سامنے جھوٹ بولنے سے پرہیز کرنا، علمی ضرورت کے بغیر بروقت اور ہر حال میں اس کے پاس مت جایا کرنا، کیوں کہ اگر تم اس کے پاس بار بار جایا کرو گے تو تمہاری قدر اس کی نگاہ میں کم ہو جائے گی، بادشاہ سے اسی طرح رہو جیسا کہ آگ سے واسطہ رہتا ہے کہ تم اس سے فائدہ اٹھا لیتے ہو اور اس سے دور بھی رہتے ہو اور اگر قریب

ہو مصلحہ اسلام کے سر پر جھک کر کیے گئے، ان کا انکال ۱۵۰۰ھ میں ہوا (مؤلف)

ہو گئے تو تم جل جاؤ گے اور تمہیں تکلیف پہنچے گی۔ اس لیے بھی کہ بادشاہ جو کچھ اپنے لیے دیکھتا ہے اس میں وہ کسی اور کو شریک نہیں کرنا چاہتا۔ اس کے سامنے بہت زیادہ بات کرنے سے پرہیز کرنا کیوں کہ وہ تمہاری باتوں میں سے کچھ ایسی بات نکال لے گا جس سے وہ اپنے حاشیہ نشینوں میں یہ ظاہر کرے گا کہ وہ تم سے زیادہ علم رکھتا ہے، وہ تمہاری غلطیاں نکالے گا جس کی وجہ سے تمہاری عزت اس کے قلم کی نگاہ میں کم ہو جائے گی، جب تم اس کے پاس جاؤ تو اپنی اور دوسروں کی قدر کو سمجھا کر وہ اس کے پاس ایسے وقت مت جاؤ جب کوئی ایسے اہل علم بیٹھے ہوں جن کو تم نہیں جانتے، کیوں کہ اگر تم ان سے کم مرتبہ میں ہو گے تو اس پر بڑا جھٹکا خیال پیدا ہوگا جس سے تمہیں نقصان پہنچے گا اور اگر ان سے زیادہ علم تمہارے پاس ہوگا تو ممکن ہے تمہارے وقت کو تمہیں لگ جائے جس سے تم بادشاہ کی نگاہ میں گر جاؤ۔ اگر وہ اپنے کاموں میں سے تمہیں کچھ دے تو اس وقت تک قبول نہ کرو جب تک تمہیں یہ معلوم نہ ہو جائے کہ وہ تم سے راضی ہے اور علم و تقاضا میں تمہارے مذہب سے راضی ہے تاکہ حکومت میں تم کسی اور کے مذہب کی اتباع کے مرتکب نہ غمخو۔ بادشاہ کے دوست اور اس کے حاشیہ نشینوں کے پاس بار بار نہ جاؤ بلکہ صرف ان سے قرب کی حد تک معاملہ رکھو اور اس کے حاشیہ نشینوں سے دوری اختیار کیے رہو تاکہ تمہاری عزت و دجا بہت برقرار رہے۔

لوگوں کے سامنے صرف اس قدر بات کرو جتنا تم سے پوچھا جائے۔ معاملات اور تجارت میں کلام کرنے سے پرہیز کیا کرو موائے اس کے کہ اگر اس کا تعلق علم سے ہو تو کوئی حرج نہیں، تاکہ وہ یہ نہ سمجھ سکے کہ تم ہال کے بھوکے ہو اس سے وہ تمہارے بارے میں غلط فہمی کا شکار ہو جائیں گے اور یہ سمجھیں گے کہ تم رشوت لینے کا راد اور کتے ہو اور ان پر اپنا افتوز رکھنا چاہتے ہو۔ عام لوگوں کے سامنے نہ تو کھل کھلا کر ہنسنا اور نہ ہی مسکراؤ، بازار بہت زیادہ نہ جاؤ، جو بچے نہ مرا ابھی کو پہنچ گئے ہیں ان سے بات چیت مت کرو وہ دقت ہیں، اس صبر سے کم کے بچوں سے بات کرنے اور ان کے سر پر ہاتھ پھیرنے میں کچھ حرج نہیں۔

راستے پر بڑے بوڑھوں کے ساتھ نہ چلو کیوں کہ اگر تم انہیں آگے رکھو تو یہ تمہارے علم کی توجین ہوگی اور اگر ان سے آگے چلو گے تو بزرگی کی وجہ سے وہ تمہیں متہم کریں گے کیوں کہ نبی

اکرم اللہ بن علی کا فرمان ہے ”جس نے ہمارے بڑوں کی تعظیم نہیں کی اور ہمارے چھوٹوں پر رحم نہیں کیا وہ ہم میں سے نہیں“ (۱۱۴)

راستے میں مت بیٹھو، اگر اس کی ضرورت پیش آجائے تو مسجد میں بیٹھ جاؤ شراب خانے میں مت بیٹھو، بازار اور مسجدوں میں مت کھاؤ، شراب کے برتنوں سے اور شرابی کے ہاتھوں سے نہ پیو۔ ریشمی کپڑے اور زیورات مت پہنو، کیوں کہ اس سے وقار اور سوجھ بوجھ میں کمی آتی ہے۔ سوئے وقت اپنے گھر میں اپنی بیوی سے ضرورت سے زیادہ بات مت کرو، بہت زیادہ لمس اور جماع سے بھی پرہیز کرو، جب بھی اس سے جماع کا ارادہ کرو تو پہلے اللہ کا ذکر کر لیا کرو، اور استغفار بھی کر لیا کرو، دوسروں کی عورتوں کے بارے میں اس کے سامنے کوئی بات مت کرو اور نہ ہی باندھوں کے بارے میں کوئی بات کرو، کیوں کہ وہ تمہاری اس طرح کی باتوں سے تمہارے خلاف جراثیم پیدا کر سکتی ہے، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر تم اس سے کسی غیر عورتوں کے بارے میں بات کرو گے تو کسی اجنبی مرد کے بارے میں بھی بات کرو گے۔

سسرال کم سے کم جانے کی عادت ڈالو، کیوں کہ وہ سب تمہارے مال پر اپنا حق جتانے کی کوشش کریں گے، اور اس کو لینے کا لالچ کریں گے، اور وہاں اپنی عورت سے قرب حاصل کرنے سے بھی پرہیز کرو۔

لاکھا پانچواں والی عورت سے شادی کرنے سے پرہیز کرو کیوں کہ وہ سارا مال ان کے لیے جمع کرے گی تمہارا مال چوری کر کے اپنے بچوں پر خرچ کرے گی اس کی وجہ یہ ہے کہ بچے اسے تم سے زیادہ عزیز ہوں گے۔ دو بیویوں کے ساتھ ایک گھر میں جماع نہ کرنا دوسری عورت سے اس وقت تک شادی نہ کرنا جب تک تمہیں اس بات کا یقین نہ ہو جائے کہ تم اس کی ذمہ داری اور ضرورت کی ادائیگی میں کوئی کمی نہیں کرو گے۔

پہلے علم حاصل کرو، پھر دولت کماؤ پھر شادی کرو، اگر تعلیم حاصل کرنے کے زمانے میں مال (۱۱۲) فقہ افرادی کی تعریف: تخصیص شعی شعی دون شعی (مختصر المعانی ص ۱۰۰) ایک چیز کو دوسری چیز سے اس طور پر خاص کر دیا کہ اس کی چیز کا احتمال باقی نہ رہ جائے۔

(۱۱۳) تاریخ بغداد ج ۱ ص ۳۳۹

(۱۱۸) تاریخ سنن

کے پیچھے پیرو گے تو علم کی سعادت سے محروم ہو جاؤ گے۔ مال تمہیں باندھیاں، غلام خریدنے اور دنیا میں مشغول ہونے پر ابھارے گا۔

علم حاصل کرنے سے پہلے شادی کرنے سے بچتے رہنا، اس سے تمہارا وقت برباد ہوگا، بچوں کی بھیڑ لگ جائے گی اور اولاد کی کثرت ہو جائے گی، پھر تم ان کی ضرورت چوری کرنے میں لگ جاؤ گے اور علم سے تمہارا رشتہ ختم ہو جائے گا۔ عہد شباب میں علم حاصل کرو، فارغ ہوتوں میں علم حاصل کرو، ذہن و فکر جب خالی ہو اس وقت علم کی طرف توجہ کرو۔ پھر مال کی طرف توجہ کرو تا کہ مال جمع ہو جائے، کیوں کہ کثرتِ مال و عیال دل کو صرف کر دیتی ہے اور جب مال جمع ہو جائے تو شادی کرلو۔

تمہارے لیے یہ ضروری ہے کہ تقویٰ اختیار کرو، اور ہر خاص و عام کو نصیحت کرو، لوگوں کی توجہ نہ کرو، ان کی تعظیم کیا کرو، بہت زیادہ ان کی محبت مت اختیار کرو ورنہ اسے یہ کہو کہ تمہارے ساتھ رہا کریں اور جب ان کے ساتھ رہو تو دینی مسائل کا ذکر کیا کرو، کیوں کہ اگر تمہارا ہم نشین علم دوست ہوگا تو اس میں دلچسپی لے گا اور اگر علم دوست نہیں ہوگا تو آنکھ تمہارے ساتھ جھپٹنے سے اجتناب کرے گا۔

عام لوگوں سے اصول دین اور علمِ کام پر گفتگو کرنے سے احتراز کرو کیوں کہ وہ تمہارے ہر کار میں اس صورت دیگر وہ اس میں مصروف ہو جائیں گے۔

(۱۱۴) مؤلف غلام الاحسان جس میں ۲۱ باب اشعار ابن جوزی کی المستظم مائت مہاجر کی جامع بیان العلم، ابوالفتح شیری کی طبقات الفقہاء، ابومریم کے حوالے سے نقل ہے۔ المستظم (۵ ص ۵۷۸) میں یہ اشعار اس طرح درج ہیں۔ جامع بیان العلم (۹۹۱ ص ۱۰۳) میں یہ اشعار اس طرح ہیں:

لعل لعل نری عین	من رای مشلہ
ومن کان من راء	قلرای من قبلہ
العلم بای اعلہ	ان یمنعواہ اعلہ
لعلہ یسلہ	لاصلہ لعلہ

نکمری نے ان اشعار کا ذکر اس طرح کیا ہے:

قل لسن من راء منہ	ومن کان من راء قد رای من قبلہ
العلم بای اعلہ ان یمنعواہ اعلہ	لعلہ یسلہ لاصلہ لعلہ

طبقات الفقہاء کے الفاظ ایچ پی بنو سمری کے الفاظ ہیں (یکچے طبقات الفقہاء ج ۱ ص ۱۳۲)

(۱۱۵) المستظم ۵ ص ۵۷۸

جو شخص کوئی مسئلہ پہنچنے آئے جتنا پہنچے جواب اسی قدر وہ اس میں کچھ اور اضافہ نہیں کرو، کیوں کہ اس سے جواب سمجھنے میں رکشش ہو جائے گی۔

اگر وہ سال تک بھی بغیر کسب و معاش رہنے کی نوبت آگئی تو بھی علم سے دوری مت اختیار کرو کیوں کہ اگر تم اس سے دوری اختیار کرو گے تو تمہاری زندگی تنگ ہو جائے گی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول سے واضح ہے: وَمَنْ اعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا. (طہ: آیت ۱۰۰) ترجمہ: جس نے میرے ذکر سے منہ موڑا اس کے لیے بے زندگی ہے۔

طالبان فقہ پر خوب توجہ دینا، ان میں ہر ایک کو اپنا عزیز اور اپنا بیٹا بنائے رکھو، تاکہ ان کی دلچسپی بڑھانی کی طرف زیادہ ہو سکے۔

اگر کوئی عام اور بازاری شخص بحث کرے تو اس سے بحث مت کرو کیوں کہ اس سے تمہاری وجاہت ختم ہو جائے گی۔

حق بیان کرنے سے کبھی اور کسی کے سامنے پیچھے نہ ہوا اگرچہ وہ سلطان بھی کیوں نہ ہو۔

دوسروں سے زیادہ عبادت کرنے کی کوشش کرو کیوں کہ لوگ اگر تمہیں کم عبادت کرتے دیکھیں گے تو تمہارے بارے میں برا خیال کریں گے اور عبادت سے ان کی دلچسپی بھی کم ہو جائے گی اور وہ یہ سوچنے لگیں گے کہ تمہارا علم نہیں اس قدر نفع نہیں دے سکا جس طرح کہ ان کا جہل انہیں نفع دے رہا ہے۔

جب کسی ایسے شہر میں جاؤ جہاں اہل علم موجود ہوں تو اپنی برتری کا خیال مت کرو بلکہ اپنے

(۱۴۱) تقدم ان غلڈن ص ۳۳۸

(۱۴۲) مطہر عارف کی مختلف تفسیر میں جن میں ایک قسم معلوم صفت ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ مخصوص طایفہ کی نمائندہ صفت میں سے ہم کو کسی ایک صفت کے ساتھ خاص کر دینے سے یہ استدلال کرنا چاہئے کہ اس صفت کی غیر موجودگی میں مذکورہ حکم کا وجود ہی نہیں ہوگا، مثلاً قول رسول تعالیٰ للعلم السامعۃ ذکوة (ترجمہ: چہرے والی خبریں میں ذکوة واجب ہے) سے یہ حکم مستدل کر لیا جائے کہ جو خبریں یا باتوں اور افشائیں گہرے باطن سے جاری ہو جاتی ہیں ان میں ذکوة واجب نہیں۔ (فتاویٰ مستعین من علم الأصول ج ۲ ص ۱۹)

مواہم جو دنیا کی اہمیاں میں شامی سے لغت میں دلیل لانے پر قفٹ کیا ہے جب کہ محمد بن حسن کی لغت میں حیات و اعتراف ان سب نے کیا ہے اور ان میں جیسے بھی اعتراض کرنے والوں میں ہیں۔ مطہر ہونا چاہیے کہ صفت کے معلوم کا معاملہ لغت سے تعلق رکھتا ہے۔ (مؤلف)

کو انہیں میں کا ایک فرد قرار کرو، تاکہ انہیں اس بات کا یقین ہو سکے کہ تم ان کے تشخص کے لیے خطرہ نہیں ہو، ورنہ وہ سب تمہارے مخالف ہو جائیں گے اور سب مل کر تمہارے مذہب پر طعن کریں گے۔ عام لوگ بھی ان کی حمایت میں تمہارے خلاف ہو جائیں گے اور تم بغیر کسی فائدہ کے ان کی نگاہ میں ملعون ہو جاؤ گے۔ اگر وہ کوئی فتویٰ پوچھیں تو جواب مت دو، ان کے ساتھ کسی بحث و مباحثہ اور مناظرے میں شریک نہ ہو۔ جب بھی کوئی مسلمان ان کے سامنے بیان کرو تو دلائل کی توضیح اچھی طرح کرو، ان کے اس انداز کو برا بھلا مت کہو کیوں کہ وہ تمہیں برا بھلا کہیں گے، لوگوں سے بڑی ہوشیاری کے ساتھ رہو۔

اللہ کی بارگاہ میں اپنا خاہر و باطن ایک رکھو، کامیابی اور صلاح ایسے ہی عالم کے لیے ہوتی ہے جس کا خاہر و باطن ایک ہو۔

اگر بادشاہ کسی کام کی ذمہ داری سونپے جس میں تمہارا فائدہ ہو تو اس وقت تک قبول نہ کرو جب تک تمہیں یہ معلوم نہ ہو کہ اگر تم قبول نہیں کرو گے تو کوئی ایسا شخص قبول کر لے گا جس سے لوگوں کو نقصان پہنچے گا اور جب تک تمہیں یہ معلوم نہ ہو جائے کہ اس نے تمہارے علم کی وجہ سے تمہیں اس کی ذمہ داری سونپی ہے۔

اہل دانش کی مجلس میں خوف سے کبھی بھی بات مت کرو اس سے الفاظ میں خلل اور زبان میں کثرت پیدا ہوتی ہے۔

کثرت محکم کے پرہیز کرو، اس سے دل مردہ ہو جاتا ہے۔

عورتوں کی ہم نشینی سے احتراز کرو، اس سے بھی دل مردہ ہوتا ہے۔

چلنے میں وقار اور سکون کا اظہار کرو، کبھی محالے میں جلد بازی سے کام مت لو۔

چیچے سے اگر کوئی شخص آواز دے تو جواب مت دو کیوں کہ جانور چیچے سے آواز دیا کرتے ہیں۔

جب بات کرو تو صبیح و پاکار سے اجتناب کرو، بہت بلند آواز سے بھی بات مت کرو۔

ہر معاملے میں تنبیہ کی اور دقت کا مظاہرہ کرو تاکہ لوگوں کے دلوں میں تمہاری جگہ بن جائے۔

لوگوں کے درمیان جب رہو تو اللہ کے ذکر کی کثرت کرو تاکہ وہ تم سے کچھ سیکھیں۔

(۱۴۳) تقدم ان غلڈن ص ۳۳۸

ہر نماز کے بعد کچھ خاص وردود عقیقہ اپنے لیے متعین کر لو، جس میں قرآن کی قرأت کرو، اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو، جو عقیقہ اس نے تمہیں عطا کی ہیں اس کا شکر بجالاؤ اور صبر کی جو دولت عطا کی اس پر سراپا بیٹھا رہو۔

ہر مہینے میں کچھ دن روزوں کے لیے خاص کر لو تاکہ عام لوگ تمہاری وجہ سے اس عمل کی طرف راغب ہو سکیں۔

عام لوگ جو (فنی) عبادت کرتے ہیں ان سے الگ تھک عبادت کرو۔

اپنے نفس کا محاسبہ کرتے رہو، بطور حفاظت کرتے رہو تاکہ تمہاری دنیا اور آخرت سنور سکے۔

اپنے نفس کو نہ پیچھا اور نہ خرید و بکدا سے اپنا متعلق غلام بنالو، جو تمہاری خدمت کا کام انجام دے تمہارے معاملہ میں اس پر اعتماد کرو۔

اپنی دنیا اور جس چیز میں تم ہو اس سے آسودہ نہ ہو کیوں کہ اللہ تعالیٰ تم سے ان سب باتوں کی پرسش کرے گا۔ امر غلام مت خریدو۔ بادشاہ کا قرب مت اختیار کرو، اگر ان کا قرب اختیار کرو گے تو وہ اپنی ضرورت پیش کریں گے اگر اسے پوری کر دے گے تو وہ تمہاری توجہ نہ کریں گے اور اگر اس سے برکشت ہو گے تو عیب داؤغہا نہیں گے۔

غلیظوں میں لوگوں کی بے پروی مت کرو، ہاں اچھائیں میں ان کی بے پروی ضرور کرو۔

اگر کسی انسان کی برائی کا تمہیں علم ہو جائے تو اس کا ذکر نہ کرو بلکہ اسے اچھی بات بتاؤ تاکہ تم اگر اس کے اندر کوئی دینی کمزوری ہو تو لوگوں کو اس لیے بتاؤ کہ وہ اس کی بے پروی سے پرہیز

فرما: یہ ساری باتیں رسول خدا ﷺ کے ساتھ واضح ہو چکی ہیں جنہیں اللہ اور انجیل میں ہے یا تمہیں ان کی جاری ہے۔ (مناقب)

(۱۳۳) مرسل: کسی شاہی کا سنا کہ بعض صہرہ عرف کر کے یہاں نکال و رسول اللہ ﷺ

مرسل: اہناف کے نزدیک جنت ہے نہ لام شامی اور بعض دیگر غلامان کی عیبت سے انکار کرتے ہیں۔

اصحاب مال: اصحاب لا یموتون میں کسی کی صحت اور عافیت اختیار کرنا ہے (قانون) اصطلاح میں اصطلاح

حکم ثبت فی الزمن الماضي للزمن الحاضر والمستقبل ما لم یطر الالحداث علیہ، فاسی میں شامی

مشتمل ہے لیے جرح بات ہو چکا اس کو اپنے حال پر اس وقت تک برقرار رکھنا جب تک کوئی ناسمج بات نہ ہو جائے۔

(مدو سعة الفقه الاسلامی: بحث اصحاب) اہناف اور شافعیین کے نزدیک اصحاب مال جنت نہیں (مرجع سابق)

اصحاب مرسل: المصلحة السلسلة فی النبی لم یبدع لھا اھل الا اعتبار ولا بالالھاء ولا بھن ولا باجماع ولا ینتھر بالحکم علی وفقہ۔ (بقیہ حاشیہ کے ملے ہر)

کریں، نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے ”بے دین شخص کی بے دینی کا چرچا کرنا تو کلوگ اسے جان لیں اور اس سے پرہیز کریں“ (۱۱۴)۔ معاشرے کا کوئی اہم فرد بھی بے دین ہو تو اس کے جاوہرے کا خوف کے بغیر اس کا اکتہار کرو، اللہ تعالیٰ تمہارا اور دین کا ناصر و مددگار ہے، اگر تم نے ایک بار ایسا کر دیا تو وہ تم سے خوف کھایا کریں گے اور پھر کوئی بھی دین میں بدعت کی ایجاد کی جسارت نہیں کر سکے گا۔

اگر تم اپنے بادشاہ کو میں ایسی چیز دیکھو جو علم کے خلاف ہو تو اس کی فرماں برداری کے اندر رہتے ہوئے اس کا ذکر کرو، کیوں کہ اس کا نفوذ تم سے زیادہ ہے اور اس سے کہو آپ نے جو کچھ مجھ پر مسلط کیا نہیں اس کا مطیع اور فرماں بردار ہوں، مگر آپ کی کچھ ایسی عادتیں ہیں جو علم کے موافق نہیں۔ بادشاہ کے ساتھ ایک مرتبہ ہی اس طرح کی نصیحت کافی ہے، کیوں کہ اگر تم بار بار اس طرح کی نصیحت کی کوشش کرو گے تو وہ تمہارا اصحابی کرنے کی فکر میں رہے گا اور یہ حقیقت میں دین پر حملہ ہوگا۔ ایسا صرف ایک بار بار کرنا کاسے یہ معلوم ہو جائے کہ تمہارے دل میں دین کی تڑپ اور امر بالمعروف کی فکر ہے۔ جب دوسری بار کرے تو تمہاری اس میں اس کے گھر جاؤ اور دین کے بارے میں نصیحت کرو اور اگر مبتدع ہو تو مناظرہ کرو۔ اگر وہ بادشاہ ہو تو کتاب اللہ اور سنت رسول کے حوالے سے اسے سمجھاؤ اگر وہ اسے تسلیم کر لیتا ہے جب تو کوئی بات نہیں ورنہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ وہ تمہیں اس کے شر سے محفوظ رکھے۔

موت کو یاد کرو، اسے اساتذہ اور جن لوگوں سے تم نے علم حاصل کیا ہے ان کے لیے دعائے مغفرت کیا کرو، قرآن کریم کی تلاوت کیا کرو، زیارت قبور کی کثرت کے ساتھ ساتھ مشائخ اور مقدس مقامات کی زیارت بھی کثرت کے ساتھ اپنے معمولات میں رکھو۔

عام لوگ اگر خواب میں نبی اکرم ﷺ کی زیارت کے بارے میں کچھ کہیں تو قبول کرو، یوں ہی خواب میں نیک لوگوں کی زیارت سے متعلق یہ یچھیں کہ انہوں نے انہیں مسجدوں میں اور مقدس مقامات پر اور مقبروں میں دیکھا ہے تو اس کو تسلیم کرو۔

بقیہ حاشیہ کا حاشیہ: (مختصر ابن الحاجب ج ۲ ص ۲۸۹، الاستحکام ج ۱ ص ۲۱۵، روضة الطالبین ص ۸۶) اصحاب سلیمان قانون ہے جس کے اقتدار یا بعد اہتمام کوئی اصل میں اور اصحاب نہیں بھی موجود نہ اور ان کی موافقت سے کی حکم کا تاج بھی نہ ہو۔ یہ اہناف کے نزدیک جنت نہیں ہے۔

نہ سمجھیں تاکہ انہیں تمہاری عادت سے تکلیف نہ ہو جائے۔

جب لوگوں کے پاس جاؤ اور نماز کا وقت ہو جائے تو عقلمند امامت کے لیے اس وقت تک آگے نہ بڑھو جب تک جنہیں وہ خود آگے نہ بڑھا سکیں۔ دو پہر یا صبح کے وقت نماز کرو۔ سیرابی چشم کی غرض سے باہر نہ جاؤ۔ بادشاہ کسی پر ظلم کر رہا ہو تو اس وقت تک وہاں مت جاؤ جب تک جنہیں یہ یقین نہ ہو کہ اگر تم کوئی سے کام لوگے تو وہ تمہاری حق کوئی کا احترام کرے گا۔ کیوں کہ اگر وہ تمہاری موجودگی میں غیر شرعی کام کرے گا تو ممکن ہے کہ تم اسے منع کرنے کی صلاحیت نہ رکھ سکو اور تمہاری خاموشی کی وجہ سے لوگ سمجھ لیں گے کہ اس کا مکمل صحیح اور حق ہے۔

علمی مجلس میں بھی جسے کا اظہار مت کرو۔ عام لوگوں کے درمیان قصہ گوئی سے پرہیز کرو کیوں کہ قصہ گو کا جھوٹا ہونا بدنامی سمجھا جاتا ہے۔ اگر کسی اہل علم کے لیے علمی مجلس قائم کرو تو اگر وہ فقہی مجلس ہے تو خود اس میں شریک ہو اور جو کچھ تمہارے پاس علم ہے اس کا بیان کرو، تاکہ تمہاری شرکت کی وجہ سے لوگوں کو دھوکہ نہ ہو جائے اور اس سے زیادہ سوچنا شروع کر دیں جس کے وہ اہل نہیں۔ اگر وہ علمی شخصیت فتویٰ کی صلاحیت رکھتی ہے تو اس کے مسائل کا بیان کرو، ورنہ ان کے ساتھ اس لیے نہ بیٹھو کہ وہ تمہارے سامنے درس دیں بلکہ ان کے پاس اپنے کسی معتد اصحاب کو بھیج دو جو جنہیں ان کے مسلک علم اور طریق کلام کی اطلاع دے سکیں۔

مجلس ذکر کرو و عزم میں اس لیے شریک نہ ہو کہ وہ پہلے سے ہی تمہاری نیک نیتی اور قدر و منزلت کے متخلف ہیں بلکہ عام لوگوں میں سے یا اپنے علاقے کے لوگوں میں سے کسی ایک کو اپنے اصحاب کے ساتھ اس کام کی ذمہ داری سونپ دو۔

بکواسی نے ابو بکر رازی کا بڑا عمدہ دفاع کیا ہے۔ عقیدہ اثنی عشری میں اثنی عشری صہارت حتیٰ بعد سے اور حال پر ان کی کبریٰ کا حقیقی احادیث کا بڑا ذخیرہ ان کے سینے میں محفوظ تھا بلکہ سنن ابی داؤد کی حدیث جو بھارت کے لیے لکھی گئی جاتی ہے ان کے نوک زبان پر تھی۔ ان کی کتاب اکدام القرآن شرح جامع کتبہ مصر طبعی مکتبہ عربیہ مصر و اختلاف اہلنا شرح ابی القضاہ الخفاف مدنی باقوں پر شاہد عدل ہیں۔ فقہاء حنفی ابو بکر ابی ہریرہ ماکی کے ساتھ ان کا واقعہ ان کے علم اور زہد و ورع کا آئینہ دار ہے۔ اصول میں ان کی کتاب کی مثال حاضرین تو دور کی بہت سے حق میں کے یہاں بھی نہیں ملتی۔ ان تمام غریبوں کے بعد جو محققان سے بیگانہ رہی کرتا ہے جانتا ہے اسے سب سے گریز کرنی چاہیے۔ اس میں بھی کچھ نہیں کہلائی لوگوں کی افواہ میں ان کی کچھ بے گنی رائے ہو یا کچھ کہ شذوذ کی طرح کچھ شاذ اقوال بھی ہوں۔ (مؤلف)

کسی بدعت کی محبت اختیار نہ کرو، ہاں دعوت تبلیغ کی مظل میں ضرور شریک رہا کرو۔ لعن ملعن اور گالی گلوئی سے پرہیز کرو۔ مؤذن اذان نہ تو مسجد آنے کے لیے تیار ہوتا کہ عام لوگ تم سے پہلے مسجد پہنچ سکیں۔ بادشاہ کے پردوں میں اگھر نہ بننا، پردوں میں کسی بات پر نظر پڑ جائے تو اس پر پردہ ڈال دو کیوں کہ وہ تمہاری امامت ہے۔ لوگوں کا راز افشاء نہ کرو کیوں کہ کسی چیز میں مشورہ طلب کرنا تو اس سے متعلق جو کچھ کسی علم ہے اس کی روشنی میں مشورہ دو کیوں کہ یہ قربت الہی کا ذریعہ ہے۔

میری اس وصیت کو قبول کرو ان شاء اللہ جنہیں دینا اور آخرت میں نفع پہنچے گا۔

بنائے سے بچنے کی کوشش کرو کیوں کہ اس میں آدمی کی رسوائی ہوتی ہے۔ لالچی اور جھوٹے مت بنو۔ عام آدمی کو اپنا ہم نفس مت بنانا اور اپنی شرافت اور عروت کا خیال کرو۔ ہر وقت سفید لباس استعمال کیا کرو۔ دی طور پر بے نیازی کا اظہار کرو اور یہ بھی اظہار کرو کہ تمہیں دنیا کا نہ تو کوئی لالچ ہے اور نہ ہی کوئی ہوس غلبی کی وقت بھی غنا کا اظہار کرو فقر کا نہیں۔ حوصلہ نہ دربا کرو کیوں کہ جس کا حوصلہ پست ہو جاتا ہے اس کی منزل بھی کم ہو جاتی ہے۔ جب راستے پر چلو تو دائیں بائیں نہ دیکھو بلکہ زمین پر نگاہ رکھو۔

حج تمت نہ خانے جاؤ تو عام لوگوں سے زیادہ اس کی اجرت ادا کرو اس سے تمہاری عروت کا پتہ چل سکے گا اور لوگ تمہاری تعظیم کریں گے۔ کپڑا بننے والے کو اور یوں ہی کسی بھی کارکن کو اپنا سامان مت دو بلکہ خود اس کا کم کر کے اپنے میں خود اعتمادی پیدا کرو۔

فلوں اور کوڑیوں میں ملنا بھلاؤ مت کرو اور درہم کا اندازہ خود مت لگاؤ بلکہ دوسروں پر اس سلسلے میں اعتماد کرو۔ دنیا کو حقیر سمجھو کیوں کہ وہ اہل علم کے نزدیک بے قدر و قیمت ہے۔ اس لیے کہ تمہارے پاس جو کچھ ہے وہ اس سے بہتر ہے۔ اپنے کام کا ذمہ دار دوسروں کو بنا دو تاکہ علم کے لیے جنہیں زیادہ سے زیادہ وقت مل سکے اور یہ تمہاری قدر و منزلت کے لیے اچھا ہے۔ چالوں اور ان اہل علم سے جنہیں فن مناظرہ کا علم نہیں اور نہ ہی دلائل کا پتہ ہے، بات مت کرو، جو لوگ خود پسندی کے خوگر ہیں اور لوگوں کے مابین مسائل سمجھتے ہیں اس سے ان کا مقصد تمہاری رسوائی ہے، انہیں تمہاری کچھ بھی پروا نہیں اگرچہ انہیں یہ معلوم ہو جائے کہ تم حق پر ہو۔

بڑے لوگوں کی مجلس میں جاؤ تو اپنے کو اس وقت تک بڑا مت سمجھو جب تک کہ وہ جنہیں بڑا

طبقات فقہاء سے متعلق ابن کمال پر شہاب مرجانی کی تعقیب

گزشتہ صفحات میں ہم نے حاشیہ (۱۱۵) پر طبقات فقہاء سے متعلق وزیر ابن کمال کے رسالے کی عبارت ذکر کی ہے اور اصل کتاب میں یہ وعدہ کیا تھا کہ اس کتاب کے آخر میں اس پر مرجانی کے تعقیبات کا ذکر کریں گے جس میں بے شمار فائدے ہیں، لہذا اب اس مقام پر ہمیں اپنا وعدہ پورا کر رہا ہوں تاکہ محققین اسے دیکھ سکیں۔ شہاب مرجانی اپنی کتاب نسا ظہورۃ الحق میں لکھتے ہیں:

جان لو کہ مجتہد کی دو قسمیں ہیں اول مجتہد مطلق جس کو فقہ میں پورا ملکہ حاصل ہو، اعلیٰ درجہ کی ذہانت اور بصیرت کا مالک ہو اور ساتھ ساتھ دلائل کی روشنی میں مستقل استنباط پر قادر ہو۔ اس کی مثال ابوحنیفہ، ابو یوسف، محمد، زفر، مالک، شافعی، احمد، ثوری اور اوزاعی ہیں۔

دوم مجتہد فی ائمہ، وہ علمائے اس کی تعریف اس طرح کی ہے کہ ”ایسا شخص جو اپنے امام کے اصول اور دلائل پر قائم ہو اور ان کے نصوص کو اصول قرار دے کر اس کی روشنی میں فروع کا استنباط کرتا ہو اور اس پر احکام کی تحقیق دیتا ہو جس طرح کہ وہ نصوص شرع کے ساتھ اس وقت کرتا ہے جب کہ دلائل کی روشنی میں کسی مسئلے کے استنباط پر قادر نہ ہو۔“

دوسری قسم کے علما اگرچہ اجتہاد مطلق کے درجے پر فائز نہیں اور فقہی تصورات کی وجہ سے اول سے کم درجے کے ہیں تاہم ان کا شمار مقلدین میں نہیں ہے، بلکہ وہ اصحاب نظر، اہل فکر و دانش اور مول میں قوت بصیرت کے مالک ہوتے ہیں اور فقہ میں انہیں کامل دسرس اور تجربہ ہوتا ہے۔ علم ان کا مقام بہت بلند ہوتا ہے، فقہی میدان میں انہیں بڑی مہارت ہوتی ہے اور فکری اعتبار سے ان کا کوئی مساوی نہیں ہوتا ہے۔ یوں ہی جرح و تعدیل پر انہیں کامل دسرس ہوتی ہے، صحیح اور

کناح کے خطبے کی ذمہ داری اپنے علاقہ کے خطیب کے حوالے کر دیوں گی جتنا زور اور عیدین کی ذمہ داری بھی انہیں کے سپرد کر دو۔

اپنی نیک دعاؤں میں مجھے مت بھولنا، میری ان نصیحتوں کو یاد رکھنا، میں نے صرف اس لیے تمہیں یہ نصیحت اور وصیت کی ہے کہ اس میں تمہارا فائدہ ہے اور تمام مسلمانوں کا فائدہ ہے۔“ یہ ایسی جامع وصیت ہے جو زندگی کے تمام شعبوں کو محیط ہے اور جس میں آخرت کی اصلاح بھی ہے اور ایک عالم دین کی اپنے شاگرد کو سب سے اچھی وصیت ہے، اس کی شہرت و افادیت کی وجہ سے میں نے اپنی کتاب کو اس سے خالی رکھنا مناسب نہیں سمجھا۔

ضعیف کی تفریق میں پورا درجہ رکھتے ہیں، مذہب کے مسائل پوری طرح انہیں یاد ہوتے ہیں، مذہب پر امتزاج کا اچھی طرح درک کرتے ہیں، مسائل کو شخص انداز میں نہایت آسان اسلوب میں پیش کرتے ہیں، دلائل کی تفصیل میں بھی انہیں کوئی دشواری نہیں ہوتی ہے، اپنے موقف کے اثبات اور اس کے خلاف شہادت کو رد کرنے میں اپنی مثال آپ ہوتے ہیں، ان کے اندر قدرتی دینے کی صلاحیت ہوتی ہے اور ترجیح پر پوری قدرت بھی۔

اس طبقے کے بعد کا طبقہ علمی اعتبار سے مختلف درجات پر فائز ہوتا ہے، روایات میں محدث و ضعیف پر کھنے کے اعتبار سے بھی ان کے درمیان فرق ہوتا ہے، فقہ اور روایت میں بھی کوئی درجہ کمال پر ہوتا ہے تو کسی میں واضح کمی موجود ہوتی ہے۔ احمد بن سلیمان رومی معروف بابائے کمال جو سلطنت عثمانیہ کے ایک مشہور فاضل ہیں جنہوں نے اصحاب فقہ کے چار درجے کرائے ہیں:

اول: مجتہد فی الشرع مثلاً: احمد اربعہ اور ان کے طریقے پر کاربند رہنے والے یعنی

جنہوں نے اصولی قواعد کی بنیاد ڈالی، عادلہ کے بعد کی روشنی میں احکام کا استنباط کیا، اور اصول و فروع میں کسی کی بھی تقلید نہیں کی۔

دوم: مجتہد فی المذہب مثلاً امام ابوحنیفہ کے تینوں اصحاب اور جن لوگوں نے احکام کے استخراج میں ان کے طریقے کو انہیں کے قواعد کی روشنی میں (جن کو ان کے اساتذہ اور مشائخ نے رائج کیا تھا) اختیار کیا۔ یہ لوگ اگرچہ بعض احکام میں اپنے امام کی مخالفت کرتے ہیں مگر بنیادی قواعد میں ان سے کوئی اختلاف نہیں کرتے اسی وجہ سے وہ اپنے مخالفین سے اصول و فروع میں ممتاز ہوتے ہیں۔

سوم: مجتہدین المسائل مثلاً خصاص، بلحاوی، کرخی، جنس الاغیہ حلوانی، جنس الاغیہ سرخسی فخر الاسلام بزدوی، فخر الدین قاضی خاں اور ان کے امثال، جو اصول اور فروغ کسی میں بھی اختلاف کی صلاحیت نہیں رکھتے بلکہ ان احکام کا استنباط کرتے ہیں جن میں مجتہدین الشرع سے کوئی نص مدح و ثناء ہے۔ مسائل کے استنباط میں اسے امام کے قواعد کا پورا لحاظ رکھتے ہیں۔

چہارم: وہ مقلد جو اجتہاد پر بالکل قادر نہیں ہوتے ہیں مگر اصول اور ماخذ کا کامل احاطہ کرنے کی وجہ سے کسی مجتہد سے منقول جمل اور احادیث کی تفصیل پر انہیں قدرت ہوتی ہے اور یہ

لوگ اصحابِ تخریب ہیں مثلاً رازی اور ان کے امثال۔

پہلے: اصحاب ترجیح مثلاً ابو حسین قدوری اور صاحب ہدایہ وغیرہ۔ یہ لوگ ایک روایت کو دوسری روایت پر فقیہ دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور اس کے لیے ”یا صحیح روایت ہے“، ”یہ قیاس کے زیادہ موافق ہے“ اور ”لوگوں کے لیے اس میں زیادہ نرمی ہے“ کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔

ششم: مقلد جو اتنی اور قوی و ضعیف، ظاہر مذہب اور ظاہر روایت وغیرہ میں فرق کرنے پر قدرت رکھتے ہیں، مثلاً صاحب کنز، صاحب مختار، صاحب وقایہ، صاحب مجمع وغیرہ۔

پہلے: مقلد جو مذکورہ چیزوں میں سے کسی پر قدرت نہ رکھتا ہو، کھرے اور کھوٹے میں تمیز کی صلاحیت بھی نہ ہو، دایمیں اور بائیں میں فرق کی صلاحیت نہ بھیجی ماں لگ نہ ہو بلکہ صاحب لیل کی طرح سب کچھ اکٹھا کرتا چلا جاتا ہو، اس طبقے کے لیے اور جو ان کی بیروی کرے ان کے لیے پوری تباہی اور بربادی ہے۔

ابن کمال نے ان تقسیمات کا ذکر کیا ہے اور یہی نے اپنے طبقات میں حرف بحرف اس کو نقل کرنے کے بعد لکھا: ”یہ بہت اچھی تقسیم ہے۔“ نہیں کہتا ہوں کہ اس تقسیم کا بہت اچھا ہونا تو دور کی بات ہے صحت سے بھی اسے دور کا واسطہ نہیں، کیوں کہ اس میں زبردستی کی سمجھنا جان موجود ہے اور بے سخرے اقوال سے بڑے اور ایسے ایسے الفاظ و کلمات ہیں جس کا نہ تو معنی سمجھ سکتے ہیں اور نہ ہی کوئی مفہیم، ان سے پہلے بھی کسی نے اس قسم کا دعویٰ نہیں کیا اور نہ اس دعوے کی آپ کوئی سمجھاؤں ہے۔ یہ اور بات ہے کہ بعد میں آنے والے کچھ لوگوں نے بغیر دلیل کے ان کی اتباع کر لی ہے، یہ فقہائے ان سات مراجع سے متعلق جتنا بھی نرم رویہ اختیار کر لیں اس کے باوجود وہ اس بات سے جان نہیں چھڑا سکتے کہ در حال طبقات کی درجہ بندی میں ان سے زبردستی غلطی اور واضح چوک

۱۲۵) مکملہ تصحیح مسلم ج ۶، ۶۱، المسند المستخرج علی تصحیح مسلم ج ۱ ص ۸۹، حدیث نمبر ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵

فطیحات ہیں۔ (مؤلف)

ہوئی ہے۔ بھلا بتاؤ تو کسی کہ ان کے اس قول کا کیا معنی ہے کہ ابو یوسف، محمد، اور زفر اگرچہ احکام میں ابوحنیفہ کی مخالفت کرتے ہیں تاہم اصول میں ان ہی کی تقلید کرتے ہیں؟ اصول سے ان کی مراد کیا ہے؟ اگر اس سے ان کی مراد وہ ایمانی احکام ہیں جن سے اصول فقہ کی کتابوں میں بحث کی جاتی ہے تو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ یہ عقلی قواعد ہیں، دلائل کی روشنی میں ان کی ترتیب دی گئی ہے، اصحاب عقل و نظر اور صاحب نظر کو اس کا علم بغیر کسی دشواری کے ہوسکتا ہے خواہ وہ مجتہد ہو یا نہیں، ان احکام کا اجتہاد سے بالکل تعلق نہیں۔ ان جنوں اماموں کی شان اس سے بہت بلند و بالا ہے جیسا کہ لوگوں کے ان کی تقلید سے ظاہر ہے۔ حاشا ثم حاشا کہ ان ائمہ کے اندر اس طرح کی کوئی کمی ہو، فقہ میں اگر ان کا درجہ مالک، شافعی اور ان کے امثال سے بڑھ کر نہیں تو یہ بھی مسلم ہے کہ ان سے کچھ کم بھی نہیں۔ مخالف اور موافق کی زبان پر یہ پیش ہر وقت رافقی ہے کہ "ابوحنیفہ ابو یوسف ہیں" اس کا معنی یہ ہے کہ ابو یوسف جو فقہ میں تثنیٰ درجہ پر فائز ہیں ابوحنیفہ بھی شان فقاہت میں اعلیٰ اور تثنیٰ درجے کے حامل ہیں اور یہ بھی قول زبان زد عام ہے "ابو یوسف ابوحنیفہ ہیں" یعنی ابو یوسف فقہ کے اتنے اعلیٰ درجے پر فائز ہیں کہ ان میں کسی بھی طرح کی کوئی کمی باقی نہیں ہے۔ دونوں ہی جملوں میں قضاہم افراد (۱۱۶) ہے۔ خطیب بغدادی نے کہا ہے کہ خطبہ بن محمد بن جعفر نے کہا کہ ابو یوسف کا معاملہ بڑا مشہور ہے، ان کی فضیلت ظاہر و باہر ہے، اپنے زمانے کے سب سے بڑے فقیہ ہیں، ان کے زمانے میں کوئی بھی ان سے آگے نہیں بڑھ سکا، وہ علم و حکمت، سرداری اور بزرگی کی اعتبار پر تھے، مذہب حنفی کے مطابق اصول فقہ میں کتاب سب سے پہلے انہوں نے ہی ترتیب دی، مسائل املا کروائے، ان کے پھیلائے کا اہتمام کیا اور ابوحنیفہ کے علم کو روئے زمین کے تمام گوشوں تک پھیلا دیا۔ (۱۱۷)

محمد بن حسن نے کہا کہ ایک مرتبہ ابو یوسف کی بہت زیادہ طبیعت خراب ہوئی، اندیشہ لاحق ہو گیا تو ابوحنیفہ ان کی عیادت کے لیے تشریف لائے، جب لوٹے تو باہر آ کر کہا اگر یہ نوجوان اس دنیا سے چلا جائے تو زمین کا سب سے بڑا عالم رخصت ہو جائے گا۔ (۱۱۸)

یوں ہی محمد بن حسن کا معاملہ ہے کہ امام شافعی نے ان کی تعریف و توصیف بہت بڑھ چڑھ کر کی ہے۔ رفیع بن سلیمان کہتے ہیں کہ شافعی نے انہیں خط لکھا اور ان سے کچھ کتابیں طلب کیں

تو انہیں بھیجے میں تاخیر ہوئی، شافعی نے لکھا:

قل للذی لم ترعی
حسی کان من را
العلم ینھی اہلہ
لعلہ ینذلہ
ن من راہ مثلہ
ہ قد رای من قبلہ
ان یمنعوہ اہلہ
لاہلہ لعلہ (۱۱۹)

(ترجمہ: وہ یعنی امام محمد تو ایسی شخصیت کے مالک ہیں کہ کسی آنکھ نے ان کی طرح تو دور کی بات اس آنکھ کو بھی نہیں دیکھا جس نے ان کی طرح کسی کو دیکھا ہو، وہ تو سلف کی حسین یادگار اور علم و عرفان کا خزانہ ہیں اور ایک عالم کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ دوسرے عالم کو علم کی نشر و اشاعت سے باز رکھے)

اس خط کے پاتے ہی محمد بن حسن نے انہیں کتاب بھیج دی۔
ابراہیم حرانی نے کہا: احمد بن حنبل سے میں نے کہا کہ اس نے دقیق اور باریک مسائل آپ نے کہاں سے سیکھے؟ انہوں نے جواب دیا کہ محمد بن حسن کی کتابوں سے۔ (۱۲۰)
حسن بن ابی مالک نے کہا اتنی باریک بینی (جس قدر کہ امام محمد میں تھی) ابو یوسف کے اندر بھی نہیں تھی۔ حنبل بن ابی انان نے کہا کہ وہ ابو یوسف سے بڑے فقیہ تھے۔

عبدالرحمن بن خلدون ناگنی نے اپنے مقدمے میں لکھا کہ شافعی عراق گئے، امام ابوحنیفہ کے اصحاب سے ملاقات کی، ان سے اخذ علم کیا، حجازی اور عراقی طریقہ ملا کر ایک خاص مذہب بنالیا۔ (۱۲۱) یوں ہی احمد بن حنبل نے علم حدیث میں مہارت ہونے کے باوجود ابوحنیفہ کے اصحاب سے اخذ علم کیا اور ایک خاص مذہب کی بنیاد رکھی۔

آپ یہ نہیں دیکھتے کہ جب بعض شوافع نے صفت کے مفہوم کو اس کی نفی (۱۲۲) پر ترجیح دی اور اس کی بنیاد اس بات کو بنالیا کہ شافعی اپنی فطرت، فہم، سلیم، اور علم کثیری کی وجہ سے اس کے قائل ہیں، ان سے مسند بھی منقول بھی ہے اور ان کے دیکر کا دینی کثرت کے ساتھ پائے جاتے ہیں۔ ابن ہمام اور دیگر علما نے یہ کہہ کر اس کا رد کیا کہ محمد بن حسن ان ساری خوبیوں کے مالک ہیں، ان (۱۲۳) کو حیدر شہودی، شہوف کا ایک بڑا ذخیرہ "معدنہ المشہور" ہے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کی طبعی برتری بھی مسلم ہے اور شافعی سے زمانے کے اعتبار سے مقدم بھی ہیں، لہذا انہوں نے ہی صفت کے مفہوم بتانے کی تلقین کا قول کیا ہے۔

دفعے کے بارے میں امام ابوحنیفہ سے منقول ہے کہ یہ مسلمانوں کے اماموں میں سے ایک امام ہیں اور میرے اصحاب میں سب سے زیادہ دانشمند (قیاسی) ہیں۔ حنفی نے کہا کہ وہ ان میں (احناف میں) ایک بڑے دانشمند (قیاسی) ہیں۔

ان امر خطا کی اصل الاطلاق اجتہادی شان اجاگر کرنے کے لیے اسی قدر شہادت کافی ہے۔ ان میں ہر ایک کا اپنا خاص اصول ہے جن میں وہ ابوحنیفہ سے الگ تھلگ ہیں اور اسی بنیاد پر ان سے اختلاف بھی کیا ہے۔ ان میں ایک یہ ہے کہ ابوحنیفہ کے نزدیک نجاست خفیف کی اصل دلائل کا متعارض ہونا ہے جب کہ ابو یوسف اور محمد کے نزدیک امر کا اختلاف اس کی اصل ہے۔ غزالی نے (بڑے مجھے ملے کا ماحیہ) وحدت کا معنی بیان کیا، مذکورہ فقرہ ہے: یہ سنا کہ ایک ایک کیفیت سے عبارت ہے، سنا کہ جب ریاضت کی بلند یوں پر قائم رہتا ہے اور روحانی سرگے تھک جاتے ہیں تو اس پر عبادہ و حق کا انکشاف ہوتا ہے، اس فقرے کے مطابق وہ خود کی دو قسمیں ہیں ایک وجوہ ذات الہی ہے جو عقلی وجود ہے اور دوسرا وجود حق جو اس عقلی وجود کا اصل اور قرعہ سنا فقرے کے بانی محمد الف ثانی حضرت شمس احمد سرہندی ہیں۔ ”توحید شریکی“ سے اسی جانب اشارہ ہے۔

جو شیخ ابو طاهر کا کام کتاب الامام ابو شافعی کے عقیدے سے متعلق اور اس کے بعد صحیحہ میں دیکھتے ہیں اس سے ان کے عقیدے کے قانونی حکم ہوتا ہے، ان کی کتاب حلاۃ المفہوم فسی روبة السعدون کی روشنی میں آپ ان کے عقائد پر مکتفہ کو سمجھ سکتے ہیں۔ حراں کیوں کی اتباع کرے گا جبکہ یہ خود ہر اس کی نظر پر ہو جائے گی اگرچہ بعد میں اس کی کتاب فہمہ السبل سے معلوم ہوتا ہے کہ اس پر عمل پنداری میں اتنی قحقی (مذکور)

(۱۲۷) توحید وجودی سے اشارہ تصوف کے نظریے ”وحدۃ الوجود“ کی طرف ہے۔ لفظ ”وحدت“ کا معنی عربی لغت میں، ایک، ایکلا، یکا، الگ تھلگ ہے۔ اصطلاح میں اس کا معنی یہ ہے کہ یہ ایک خاص میں ہم سانس لیتے، بھرتے، اٹھتے، بیٹھتے ہیں، کوئی اپنا ذاتی اور حقیقی وجود نہیں، کائنات عالم کی تمام چیزوں کا وجود جن سے اور ان ممکنات سے ایک واجب الوجود کا وجود حاصل ہے، جو عقلی وجود ہے، اور مرئی غیر اور مفہوم کائنات کا ہے۔ یہ عقلی وجود دائل علی شائد کا ہے، کیوں کہ وہ ابتداء سے بغیر کسی کے پیدا کر کے اور وجود میں لانے سے بذات خود موجود ہے، اس کی وجودی یہاں ضرورت نہیں اور نہ تسلسل لازم ہے گا جو باطل ہے، کائنات عالم کی جتنی بھی چیزیں ہیں اسی عقلی وجود کے علم اور ارادے کی مظہر ہیں اور اسی عقلی وجود سے ان کی زندگی اور ان کا وجود ہے، اس لیے ان ممکنات کا وجود بالشرع اور باقی ہوگا۔ یوں ہی اس موجود عقلی کے علاوہ دوسرے تمام وجودات کا وجود کا اطلاق لازم ہوتا ہے۔ (ذکر محمد بن عبدہ، مذکورہ فلسفۃ الاسلامیہ ص ۵۶) و تعلیق ج ۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸

وقت کر دیا اور ان دلائل کا استعمال امام کے مذہب کو صحیح ثابت کرنے کے لیے کیا اور اس شخص کے لیے اس کی توثیق بھی کی، جو اس اعتقاد کے ساتھ اس سے تمسک کرنا چاہتا ہے کہ وہ سب سے بڑے عالم، متقی اور قابل تقلید ہیں، انہیں کے قول سے دلیل لانا زیادہ پسندیدہ ہے، انہیں کا مذہب مفتی کے لیے معتد اور ابن کلام کے مطابق مستفی کے لیے ارفقی ہے۔

☆

مسرحین کلام کہتے ہیں کہ جو شخص ابوحنیفہ کو اپنے اور خدا کے درمیان رکھے تو میرا خیال ہے کہ اس کے بارے میں کوئی اندیشہ نہیں اور اس احتیاط میں اسے اپنے نفس پر جفا کرنے والا نہیں سمجھا جائے گا۔

ابوحنیفہ فقہ میں اس مقام پر فائز تھے جہاں کسی کی پہنچ نہیں ہو سکتی، اس کی شہادت ان کے انہوں بالخصوص امام مالک اور امام شافعی نے دی تھی جس سے مخالفین مثلاً احمد، حنابلہ اور امام اوزاعی، امام سفیان اور ان کے امثال سے ممتاز ہو گئے۔ ایسا انہوں نے اس لیے نہیں کیا کہ وہ اجتہاد مطلق کے درجہ پر فائز نہیں تھے۔ اگر یہ (ابو یوسف، جعفر، ذہبی) اپنی رائے کی تردید و شاعت میں لگ جاتے اور اس کی تائید میں نص اور قیاس سے دلیل لاتے تو ان میں سے ہر ایک کا مذہب امام ابوحنیفہ کے مذہب سے الگ اور اس کے مخالف ہوتا۔

اگر اصول سے ان (ابن کمال) کی مراد اولیٰ اور بعد اولیٰ کتاب، ہفت، اجماع و قیاس کے شرعی اصول اس طور پر ہیں کہ ان سے استدلال اور ان سے استنباط کیا جائے تو اس کا راستہ ہی مسدود ہے، کیوں کہ احکام کے استخراج اور استنباط میں شریعت کے اصولی ہی تمام ائمہ کا ماخذ ہیں لہذا اس میں کسی دوسرے امام سے ابو یوسف کی مخالفت کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔

اگر یہ کیا جائے کہ ابو یوسف اور ان کے اصحاب (محمد، زفر) اقوال صحابہ اور مرسلین کی حجیت، اصحاب اور مصالح مرسلہ (۱۲۳) کی عدم حجیت سے متعلق ابوحنیفہ کے نظریات کے متویہ اور ان

(۱۲۸) عالم اللہ: الاطون کا نام ہے کہ یہ ایک جہاں ہم زندگی گزارتے ہیں یا یہ عالم جو ہمارے سامنے موجود ہے، اس کے پس پردہ ایک اور عالم ہے جو روحانی عالم سے عبارت ہے، یہ ایسا عالم ہے جو تمام شخص سے خالی اور غیرت سے محفوظ ہے، ہمارے اس عکس عالم کی تائید کے اعلیٰ عالم بھی وہی عالم روحانی ہے، جیسے جیسے عالم حسی کا قرب عالم مثال سے ہوتا ہے اسی قدر اس میں کمال پیدا ہوتا رہتا ہے، الاطون کی کثرت کے مطابق ہماری یہ ایک نفس خیال سے حقیقت ہے اس کا کوئی شخص نہیں۔

کے مقلد ہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا تقلید سے کچھ تعلق ہی نہیں بلکہ ان اصحاب کی رائے ابوحنیفہ کی رائے سے مشتق ہو گئی اور جو دلائل ابوحنیفہ کے تھے وہی دلائل ان کی نگاہ میں بھی تھے اور وہ اس سے مطمئن بھی ہو گئے۔ آپ کو معلوم ہے کہ مالک کے نزدیک مرسل جت ہے، شافعی کے نزدیک مصالح مرسلہ جت نہیں، اس کا یہ مطلب نہیں کہ مالک اور شافعی ابوحنیفہ کے مقلد ہو گئے۔ یوں ہی اجماع، جبر و صادر اور قیاس کی حجیت پر ان سب کا اتفاق ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ ایک دوسرے کے مقلد ہو گئے۔ اجماع کی حجیت سے تو بعض بدعتوں نے انکار کیا اور قیاس کی حجیت سے داؤد ظاہری اور بعض دوسرے لوگوں نے انکار کیا ہے۔ ابو بکر اقبال شافعی، ابو علی بن خیران شافعی اور قاضی حسین شافعی سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہم شافعی کے مقلد نہیں بلکہ ہماری رائے ان کی رائے کے موافق ہو گئی۔ یہی حال امام ابوحنیفہ ظاہری کا بھی ہے کہ ان کی رائے ابوحنیفہ کی رائے کے موافق ہو گئی جس کی بنیاد پر وہ حنفی ہو گئے، احناف کے نظریات کی تائید میں دلائل پیش کیے جیسا کہ انہوں نے اپنی کتاب شرح معانی الآثار کے ابتدائیں ذکر کیا ہے، لکھتے ہیں:

(۱۹۹) قدم عالم: "قدم" کا معنی عربی زبان میں سابق اور پہلا ہے اور انکی چیز جس کے بعد یہ کچھ وقت گزرتا ہے تو اس کو "قدم" کہتے ہیں، اہل نقل کا ایک نام مقدم ہے یعنی چیز دو کا ذکر کرنے والا اور ان کی خام مرسلہ کا قدم کا اطلاق مقدمہ نقلی کی ذات پر ہوتا ہے، اس طور پر کسی سب سے مقدم اور سب سے پہلے کے مطمئن کے نزدیک قدم کا اطلاق انکی چیزوں پر ہوتا ہے جس کے بعد کوئی ایک نقلی چیز جس کا جو دلائل ہو اور اس کی کوئی ایک رائے اور جس کوئی مقدمہ نقلی نہیں اس کی مقام سے قدم کا اطلاق صرف نقلی کی ذات ہے۔ قدم کی جتنی قسمیں ہیں:

(۱) قدم زمانہ: اولیٰ کے زمانہ میں کسی چیز کا ذکر اس طور پر ہو جو دوسرے کو اس سے پہلے زمانہ گزارتا ہو اور وہ کسی تبدیلی اس پر واقع ہوتی ہے، اس اعتبار سے نقلی کی ذات پر قدم کا اطلاق کیا جاسکتا کیوں کہ نقلی کا وجود زمانہ میں اور ہی زمانے کے بدلنے سے اس میں کوئی تبدیلی آتی ہے، اس لیے بھی کہ زمانے سے مختلف ہونا حادث ہونے کی علامت ہے اور نقلی کی بھی لڑنے کے حادث اور نقل سے منسوب ہے۔

(۲) قدم اضافی: کسی چیز کا دوسری حادث چیز کی طرف نسبت کرتے ہوئے مقدم ہو مثلاً باپ کا بیٹا سے پہلے ہونا۔

(۳) قدم زمانی: جو دوسری کی غیر کا کا زمانہ یا بعد ہو دیکھ جس کے بعد کوئی ایک زمانہ ہو، اس معنی کے اعتبار سے قدم کا اطلاق نقلی پر جائز ہے کہ اس کے بعد کوئی ایک زمانہ یعنی اس کے بعد جو مقدم نہیں۔ یہی ایک منت والی اجماع و اشعار اور تدریج کا عقیدہ ہے جب کہ اس کے برخلاف لافظ بعض متضاد اور کلمہ مطمئن کا عقیدہ ہے کہ یہ حضرت عالم کو قدم کہتے ہیں اور نقلی کو قدم کہتے ہیں، حق اشعار اور تدریج کے ساتھ ہے۔ اہل نقلی علم۔

اس کی کوئی ایک نام مخریاتی کی اقتصاد فی الاقتصاد (ص ۱۰۶) اہل نقلی کی شرح عقیدہ الطولہ (ص ۱۰۶) اور استاذ مختصر مخریاتی کی کتاب حسد فی العقیدہ الاسلامیہ والاخلاقی میں موجود ہے۔

میں اپنی کتاب میں جہاں بھی بات آئے گی ناخ و منوخ و علما کی تاویلات، ایک کے خلاف دوسرے کا استدلال اور ان میں میرے نزدیک جو صحیح قول ہوگا اس کی تائید اور اس کے دلائل کا ذکر کروں گا، جب کہ دوسری طرف بھی کتاب، سنت، اجماع یا اقوال صحابہ اور تابعین سے متواتر چیز ثابت ہوگی وہ بھی صحیح ہوگی۔

پھر خصاف، ہمدانی، کرنفی کے بارے میں ان کا یہ سمجھنا کہ وہ اصول و فروع میں سے کسی میں بھی ابوحنیفہ کی مخالفت کی صلاحیت نہیں رکھتے، کچھ معنی نہیں رکھتا کیوں کہ فقہی کتابوں پر جس کی سمری نظر ہوگی، اختلاف علماء اصول کا مطالعہ جس کا بھٹنا زیادہ ہوگا اسے اچھی طرح معلوم ہو سکے گا کہ انہوں نے ایک یا دو مسائل میں نہیں بلکہ ہزار مسائل میں ان کی مخالفت کی ہے، اصول و فروع میں ان کے اپنے اختیارات ہیں، تیس اور سب سے اقوال کا استنباط کیا ہے، اس پر معقول اور منقول سے استدلال بھی کیا ہے۔ امام کرنفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ابوحنیفہؒ اور ان کے علاوہ

(۱۳۸) حدیث ابی ہریرۃؓ فرماتے ہیں: حدثنا أحمد بن منيع حدثنا يزيد بن هارون، أخبرنا حماد بن سلمة، عن يعلى بن عطاء عن وكيع بن حديد، عن عمة أبي رزين قال: قلت يارسول الله! ابن كان رينا قبل أن يخلق خلقه؟ قال: كان في عمام ما تحته هواء وما فوقه هواء وخلق عرشه على الماء قال أحمد بن منيع قال يزيد بن هارون العمام أليसी معه شئ. قال أبو عيسى هكذا روى حماد بن سلمة وكيع بن حديد، ويقول شعبه وأبو عروانة وهشيم وكيع بن حديد وهو أصح وأبو رزين اسمه ليث بن عامر، قال وهذا حديث حسن. (سنن الترمذی ج ۵ ص ۲۸۸، حدیث ۳۱۰۰)

(ترجمہ: ہم سے حدیث بیان کی کہ ابن عمرؓ نے، ان سے بڑے بن ہارونؓ نے، ان سے ہمدانیؒ نے، انہوں نے یحییٰ بن عطاءؒ سے روایت کیا، انہوں نے وکیع بن حديد سے روایت کیا، انہوں نے عمة ابی رزین سے روایت کیا، انہوں نے اپنے بھائی ابو رزین سے روایت کیا، انہوں نے عرض کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے خلق قبل خلق کو پیدا کرنے سے پہلے کہا تھا؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس وقت کوئی چیز نہیں تھی نہ تو اس کے اوپر کوئی چیز تھی اور نہ ہی اس کے نیچے کچھ تھا اور اس نے عرض کیا کوئی چیز پیدا کیا۔ اب ہمدانی نے کہا کہ بڑے بن ہارونؓ نے کہا کہ "عما" کا معنی اللہ کے ساتھ کسی چیز کا نہ ہونا ہے۔ ابویسی نے کہا کہ ہمدانیؒ نے وکیع بن حديد کا ذکر کیا ہے جب کہ شعبہ، ابی ہریرانہ، ابوہمیم وکیع بن حديد کا ذکر کرتے ہیں اور بکیر زیادہ ہوگا ہے۔ ابو رزین کا نام یحییٰ بن عامر ہے امام ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن ہے)

ذکر و حدیث ترمذی کے علاوہ مسند امام احمد بن حنبل (ج ۳ ص ۱۲۸) مسند ابن ماجہ (ج ۱ ص ۶۳) میں بھی الفاظ کے معمولی اختلاف کے ساتھ مذکور ہے۔

اگرچہ سے ان مسائل میں اختلاف کیا ہے:

(الف) عام کی حجت تخصیص کے بعد اصلاً باقی نہیں رہتی۔

(ب) کسی مسئلے کا تعلق عموم بدوی سے ہو تو خبر و ادعا میں حجت نہیں ہوگی۔

(ج) متزک محاجت حاجت کے وقت حجت نہیں ہے۔

ابو بکر رازی نے اس اصل میں اختلاف کیا ہے کہ عام مخصوص عند البعض کا باقی اگر جمع ہے تو وہ حقیقت ہے، ورنہ وہ مجاز ہے۔

کیا یہ مسائل اصولی مباحث سے تعلق نہیں رکھتے، ان سب کے باوجود ابو بکر رازی ایضاً ص کا شمار ایسے مقلدین میں کیا جانا جنہیں اجتہاد پر بالکل ہی قدرت نہیں ہوتی، بڑا عظم اور اپنے مقام سے نچلا دکھانا چشم پوشی، ان کے مقام علم سے نا آشنائی، فقہ میں ان کی مہارت کا انکار، اصول میں ان کے درگ اور قوت فکر و نظر اور ان کے طریقہ استدلال سے جہالت نہیں تو اور کیا ہے؟ جو شخص ان کی تصانیف کا مطالعہ کرے گا اور ان سے منقول اقوال ملاحظہ کرے گا اس پر یہ حقیقت کھل جائے گی کہ جن لوگوں کا شمار ابن کمال نے مجتہدین میں کیا مثلاً شمس الانارہ اور ان کے بعد کے علماء ابو بکر رازی کے بال بچے ہیں، اس کا مصداق وہ مسائل ہیں جہاں انہوں نے اپنے اختیارات کا استعمال کیا ہے، وہ دلائل ہیں جن سے انہوں نے طریقہ استدلال کا ذکر کیا ہے۔ ان کی اشرفا و بادشاہی ہوئی جو دار الخلافہ ہونے کے ساتھ ساتھ علم و ارشاد و ہدایت کی آماجگاہ تھا، امن و سلامتی کا شہر اور اسلام کی پناہ گاہ تھا۔ انکاف و اطراف کا سفر کیا، مختلف ملکوں کی سیر کی، علماء سے ملاقاتیں کیں، اہل علم و فن سے ملنے کا اتفاق ہوا، افتخار و اہدیت سے بڑے بڑے مشائخ سے حاصل کیا۔ دیکھتے تو کسی شمس الانارہ طوائف ان کے بارے میں کیا کہتے ہیں:

وہ بڑے شخصیت کے مالک ہیں، ارباب علم و فن کے درمیان معروف ہیں، ہم ان کی تقلید کرتے ہیں اور ان کے قول پر فتویٰ دیتے ہیں۔

لہذا مقلد کے لیے مقلد کی تقلید درست ہو سکتی ہے؟ انکشف الکبیر میں لکھا ہے جس منہوم ہے کہ ابو بکر رازی ابو منصور ماتریدی سے بڑے فقیہ تھے۔ قاضی خاں نے منہوم کو مکمل صورت کے ضمن میں فرمایا:

باپردہ یعنی انکی عورت جس کا مردوں سے اختلاط نہ ہوا ہو یا کہ وہ بیاہیہ، کے لیے وکیل بنانا جائز ہے، ایسا ہی ابو بکر رازی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔

ہدایہ میں ہے کہ اگر عورت باپردہ ہو تو رازی نے کہا اس کا وکیل بنانا لازم ہے، یہ ایسا مسئلہ ہے جس کو مستحب قرار دیا ہے۔

ابن حام علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ ابو بکر رازی انھما ص احمد بن علی رازی بڑے امام ہیں، یعنی بظاہر اصل وغیرہ کے مطابق ابو حنیفہ سے بھی مروی ہے کہ بارہ اور شیعہ میں کچھ فرق نہیں خواہ پردہ نہیں ہو یا بے پردہ، اور ثوثیٰ اسی پر ہے جس کو انہوں نے اختیار کیا۔ لہذا رازی کی تخصیص کے بعد عام طور پر متاخرین کی طرف انتساب صرف اس لیے ہے تاکہ معلوم ہو سکے کہ اس جزیہ کے وہی موجد ہیں اور متاخرین نے ان کی اس سکتے میں اتباع کی ہے۔

شمس الانوار نرسی نے اپنی کتاب میں ابو بکر رازی کے حوالے سے کثرت کے ساتھ نقل کیا ہے، ان کے اقوال سے دلائل پیش کیے ہیں، اور ان کی رائے کی متابعت کی ہے۔ طحاوی اور ان کے بعد جن علما کا ذکر مجتہد فی المسائل کے ضمن میں کیا ہے ان سب کا علم ابو بکر رازی کے علم پر جا کر ختم ہو جاتا ہے۔ ☆

قاضی ابو یزید دیوبی کے استاد ابو جعفر استریشی نے ان سے علم فقہ حاصل کیا، یوں ہی شمس الانوار طحاوی کے استاد ابو علی حسین بن خضر نسی نے بھی ان سے فقہ حاصل کیا۔ نرسی کے بارے میں معلوم ہے کہ وہ ان کے شاگرد ہیں، قاضی خاں ان کے اصحاب کے اصحاب میں سے ہیں۔ اصحاب تخریج میں غالباً ان کو اس لیے شمار کیا گیا کہ علما یہ لکھتے ہیں ”ایسا ہی تخریج رازی میں ہے“ اس عبارت سے یہ صوح ہو گیا کہ شاید ان کا علمی مقام اصحاب تخریج سے اور بھی کچھ ان کا مثلاً علم ہے۔

ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب نے عیدین کی تیرہ بکیرات سے متعلق ابن عباس کے قول کی تخریج کی ہے اس تعداد کو انہوں نے اصل بکیرات پر محمول کیا ہے جب کہ شافعی اور ان کے پیرو کاروں نے بکیرات زوائد پر اس کو محمول کیا ہے۔

ابو یوسف نے وضعی کے اس قول کی تخریج کی کہ خضی مشکل وراعت کے مسئلہ میں درجہ

کے نصف کا مستحق اس لیے ہے کہ یہ سات کا تیسرا حصہ ہے اور چھ نے اس کی چھ بے بتائی کہ یہ بارہ کا پانچواں حصہ ہے۔

ابو الحسن کرغنی نے تعدیل رکوع اور کجود سے متعلق ابو حنیفہ اور محمد رحمہما اللہ کے قول کی تخریج کی اور اسے واجب قرار دیا اور ابو عبد اللہ جرجانی نے اس کی تخریج کی اور اسے سنت پر محمول کیا۔ اس طرح کی درجہوں انکی مثالیں موجود ہیں جو بڑے مجتہدین کرام سے صادر ہوئیں، جس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ان کی اجتہادی شان پر حرف آ جائے یا ان کے درجے کو کم کر دے، تو پھر ابو بکر رازی کو کیسے ان کے درجے سے نیچے شمار کیا جاسکتا ہے۔

قدوری اور صاحب ہدایہ کو انہوں نے اصحاب ترجیح اور قاضی خاں کو مجتہدین فی المسائل کی فہرست میں شامل کیا ہے جب کہ قدوری زمانے کے اعتبار سے شمس الانوار سے پہلے ہیں اور علم و فضل میں بھی ان کا مقام اعلیٰ ہے تو پھر قاضی خاں سے بڑے کیوں نہیں ہوں گے۔

جہاں تک صاحب ہدایہ کی بات ہے تو ان کا مقام تو یہ ہے کہ وہ اپنے زمانے میں جہاں جاتے مرجع ملاتے اور ان لوگوں میں سے تھے جن کو اگلیوں پر شمار کیا جاسکتا ہے۔ جواہر اور اس کے علاوہ کتابوں میں ہے کہ ان کے زمانے کے لوگوں نے ان کی علمی برتری اور ان کے فضل کا اعتراف کیا ہے، جن میں امام فخر الدین قاضی خاں اور زین الدین عتایی وغیرہ سر فہرست ہیں۔

انہوں نے کہا کہ وہ تو اپنے زمانے کے علما سے بہت آگے تھے حتیٰ کہ اپنے ان اساتذہ پر بھی انہیں علمی برتری حاصل تھی جن سے انہوں نے فقہ حاصل کیا تھا اور انہیں اس کا اعتراف بھی تھا۔ لہذا یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ ان کا درجہ قاضی خاں سے کم تھا، بلکہ یہ کہا غلط نہیں ہوگا کہ وہ اجتہاد کے ان سے کہیں زیادہ متفق تھے، اجتہادی مسائل کے اسباب میں بھی قاضی خاں سے زیادہ مدرس انہیں حاصل تھی۔

یہ اور اس کے علاوہ یہ بھی کہ ان کی اس درجہ بندی سے پانچویں اور چھٹے درجے میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ کس قیاس کی بنیاد پر انہوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے اور کس بنیاد پر ان کے درمیان یہ فرق رکھا ہے؟ انہیں تو اس موضوع سے بہت کم تعلق ہے، جن لوگوں کا اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے ان سے بھی ان کی موافقت بہت کم لگتی ہے، اکثر کو تو وہ جانتے ہی نہیں۔ ممکن ہے ایک کا دو

کر دیا ہو اور مقدمہ کو خرخر دیا جس سے معاملہ بالکل الٹ گیا بلکہ بہت ساری کتابوں کو دوسروں کی طرف منسوب بھی کر دیا ہے، پھر وہ کس طرح ان کے طبقات کو جان سکتے ہیں اور کس طرح ان کے فقہی مراتب کو جان سکتے ہیں؟ حقیقت تو یہ ہے کہ اس کلیہ کا علم بہت دشوار ہے بالخصوص اہل جہل فقہاء اور علماء سے متعلق کیوں کہ ان کی مثال پھیل چکی ہوئی اس زنجیر کی طرح ہے جس کے دوسرے سر کے پائے ہی نہیں چلتے، جس کا اشارہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں موجود ہے وہنا ضلیم آیۃ الاھی اکتبر من اختصا (ہم انہیں جو بھی نشانہ دہکاتے ہیں وہ دوسرے سے کہیں زیادہ بڑی ہوتی ہے) اس کا صحیح مفہوم تو اللہ کو ہی معلوم ہے مگر میری سمجھ سے اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی برز نشانی کو اگر الگ الگ دیکھا جائے تو غور کرنے والا ہر ایک کے بارے میں یہی کہے گا یہ سب سے بڑی نشانی ہے ورنہ یہ متصور نہیں ہو سکتا کہ ہر نشانی دوسری نشانیوں سے من کل الوجوہ بڑی ہے کیوں کہ یہ ناقص ہے۔

فقہائے عراق بڑے سادگی پسند تھے، آداب والقباب کو بالکل پسند نہیں کرتے، القاب سے متعلق وہ سلف امت کے نقش قدم پر تھے کہ ان کے اندر وجداری بقوتی اور تسلط فی الدین اتنا زیادہ تھا کہ انہوں نے ہمیشہ اپنے کو بھاری مجرم الفاظ سے دور رکھا، بلند بانگ دعووں کو بھی اپنا شعار نہیں بنایا اور خود سری اور خود نمائی کو بھی کسی اچھا نہیں سمجھا۔ اسی طرح وہ منصب قضاء اور شافعی نوکری سے بھی دور رہنے کی کوشش کرتے رہے، بلکہ دوسروں سے امتیاز کے لیے وہ اپنے نام کے ساتھ اتنا سادہ لفظ استعمال کرتے جو عام لوگوں کی نگاہ میں نہایت حقیر سمجھا جاتا تھا، وہ اپنے کسی پیشگی طرف منسوب کرتے، یا قبیلے کی طرف، یا گاؤں کی طرف یا کسی علاقے کی طرف یا کسی طرح کسی چھوٹی چیزوں کی طرف مثلاً خضاف بھصا، و قدوری، طنجی، ہلمووی، کرتی، جیمیری۔ جب متاخرین نے ان کا حوالہ لیں کہ شروع کیا تو ان کے نام کے ساتھ کسی آداب والقباب کا اضافہ نہیں کیا، ان کے طریقے پر چلتے ہوئے انہیں الفاظ کو ان کے نام کے ساتھ استعمال کیا۔

دوسری طرف خراسان اور بالخصوص ماوراء النہر کے لوگوں کا حال قرون وسطیٰ اور اس کے بعد کے زمانے میں یہ تھا کہ دوسروں پر اپنی برتری ثابت کرنے کا ہنڈ بکتے تھے، خود نمائی اور خود سری ان کے اندر پوری طرح کارفرما تھی، خاکساری محض ایک دکھاوا تھی، اپنے علاوہ دوسروں کی بات

کی ان کی نظروں میں کوئی قیمت نہیں تھی، روئے زمین پر اپنے علاقے کے علاوہ کسی اور علاقے کی ان کی نگاہ میں کوئی قدر بھی نہیں تھی۔ ہر ایک اپنے خیال میں یہی سمجھتا تھا کہ پوری کائنات ان کے علاقے کے سامنے بچے ہے۔ اس فکر کا ان کے علا میں بھی آ جاتا کچھ بعد میں تھا، بلکہ انہوں نے انہیں بڑے بڑے القاب سے نوازا، اور بڑے بڑے اوصاف کو ان کے نام کی زینت بنایا مثلاً الحسن الاثر، ابو الاسلام، صدر الشریعہ، یہی حال ان کے بعد آنے والے علماء کا بھی رہا۔ وہ اپنے اسلاف کو بڑے بھاری مجرم القاب سے یاد کرنے لگے، ان کے بالمقابل دوسروں کو نیچا دکھاتے، جب ان میں سے کسی کا ذکر آتا تو ان کے القاب میں زمین و آسمان کے تقابلا دیتے اور کہتے شیخ، الامام الاعلیٰ، الخراجہ المظہیہ وغیرہ اور جب ان کے علاوہ علماء کا ذکر کرتے تو صرف اس قدر کہتے کہ "کرتی اور بھصا نے کہا" تو عجیب نہیں کہ جن لوگوں نے ان کی زبان سے یہ سب کچھ سنا وہ بھی ان کی اقتدار کرنے لگیں، بلکہ احوال و حال سے نا آشنا، ان کے مراتب کمال سے نا بلند، علماء کے طبقات اور فقہاء کے مراتب سے بے خبر تھے وہ ان کے بارے میں بدگمانی میں مبتلا ہو گئے۔ انہوں نے اوصاف کے بلند بالا ہونے کی وجہ سے موصوف کو بھی بڑا اچھلیا جس کی وجہ سے انہوں نے ان کے علاوہ علماء کی برتری کا انکار کر دیا اور اللہ کے دیگر نیک بندوں کو حقیر سمجھ لیا۔

ابن کمال حکومت کی طرف سے فتویٰ کو نیسی پر مامور تھے، اپنے آپ کو باقری اور پریشانوں سے ٹکالنے کے لیے فتویٰ کی کتابوں کا مطالعہ ان کی ضرورت بن گئی ہوگی، اسی دوران ان کی نگاہ ہاشمہ کا ماوراء النہر پر پڑی تو انہیں بڑے بڑے آداب والقباب والا دیکھا، جس سے یہ سمجھ بیٹھے کہ ان کے سامنے تو کسی کی کوئی قدر ہے ہی نہیں، بلکہ ان سے متاثر ہوتے چلے گئے اور یہی ان کی طبیعت بن گئی، جو کچھ انہوں نے کیا وہ بعد والوں کے لیے نشان منزل بن گیا اور آداب والقباب کی روشنی میں علماء کے طبقات کی جس طرح حد بندی کے لیے نشان منزل بن گیا اور آداب والقباب ادنیٰ کو اعلیٰ بنادیا اور رنگ دست کو فاضل بنا کر پیش کیا، بعد میں آنے والوں نے بھی انہیں کے طریقے کو اپنایا اور اس سے تہجد کرنا بالکل ہی پسند نہیں کیا، اگر ان کے سامنے کسی بڑے عالم کا قول آتا تو وہ کہتے وہ تو مجتہدین میں سے نہیں کیوں کہ ان کا شمار مذکورہ طبقات میں نہیں۔

اہل علم سے یہ پوشیدہ نہیں کہ اس شخص نے اپنی کتاب میں جو کچھ لکھا ہے وہ ہندسے کے ایک

گھونٹ اور سحر اسے ایک مشت خاک کے برابر ہے، حاکم وغیرہ نے بعد صحیح حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم لوگوں کو ان کے درجہات کے مطابق کہیں (۱۲۵)۔ ان میں ہر ایک ائمہ دین ہیں، اور دورے زمین پر حق کے داعی ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت بھی عطا فرمائی ہے۔ اہل بصیرت کے لیے یہ چند فوائد و فضول اور قواعد اصول ہیں۔ اللہ ہی سیدھی راہ کی راہنمائی کرنے والا ہے، وہی ہمارے لیے کافی ہے اور ہمارا نگہبان بھی۔ آمین

میں نے ناظرۃ الحق فی فرضیۃ العشاء وان لم یغب الشفق سے نقل کرنے کا جو وعدہ کیا تھا اس مقام پر مختصر تصرف کے ساتھ پر کر دیا۔ یہ کتاب قدیم بلغاریہ کے علاقہ قران سے ۱۲۸۷ھ میں شائع ہوئی ہے مگر اس علاقے کی کتاب کتبچہ کی قلمی نسخے تک پہنچنے سے زیادہ دشوار مسئلہ تھا اور اس کا حاصل کرنا بہت کٹھن معاملہ تھا اس لیے ہم نے اس کی بحث کا خلاصہ ذکر کر دیا تاکہ محققین اس کو دیکھ سکیں اور اس لیے بھی کہ اس میں بڑے فوائد اور زبردست تحقیقات تھیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ موضوع طبقات فقہاء کے لیے بھی بہت اہمیت کا حامل تھا، کیوں کہ زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ حد سے تجاوز کرنے والوں کی بھی کثرت ہوتی جا رہی تھی اس لیے دلائل و براہین کی روشنی میں انہیں لگام دینا از حد ضروری ہو گیا تھا۔ اللہ کی مدد اور اس کے فضل سے اس تکمیری ہوئی بحث کو یکجا کرنے کا ہمیں موقع ہوا تھا آسما اور اللہ ہی ہر امیدوں کو فعل اور عمل کی منزل تک پہنچانے والا ہے۔

اس کتاب کے مؤلف بڑے علامہ، صاحب نظر و محقق، ماہر فقہ، اصولی، منظم مؤرخ شیخ شہاب الدین بن بہاء الدین مرچانی ہیں، ۱۲۳۳ھ میں ان کی پیدائش مرجان گاؤں میں ہوئی، اپنے والد سے علم حاصل کیا، پھر ۱۲۵۴ھ میں بخارا اور سرقد کا سفر کیا، ان علاقوں کے مشائخ سے علم حاصل کیا، انہیں اپنے مقصد میں کامیابی ملی اور ان علمی خزانوں سے اچھی طرح استفادہ کیا کیوں کہ وہ علاقے اس وقت تادر کنہوں کی نسبت معروف تھے، یہاں تک کہ فقہ، اصول و توحید اور تاریخ میں بہت نفع بخش کتاب کے مؤلف بن گئے۔ ان میں سے بہت ساری کتابیں قرآن، قاہرہ اور استنبول سے شائع ہو چکی ہیں۔ ۲۸ شعبان ۱۳۰۶ھ کو اپنے ۷۳ شہر میں ۸۳ سال کی عمر میں

داعی اجل کو بلک کہہ گئے۔ اللہ انہیں اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ ان کی زندگی ایک کامیاب علمی زندگی تھی، مسائل میں ان کی اپنی ایک شان تھی ان سب کے باوجود بعض سماعت ان کی بحث میں موجود ہیں، وہ لغت میں سماع کے پابند نہیں تھے بلکہ ہر موضوع پر ان کا قلم آزاد تھا۔ اللہ ان سے اور ہم سے درگزر فرمائے۔

شاہ ولی اللہ کے تسامحات

اس میں کوئی حرج نہیں کہ اس بحث کی آخر میں الحبر الہمام شیخ احمد بن عبد الرحیم دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق کچھ باتیں کی جائیں کیوں کہ انہوں نے اجتہاد، تاریخ فقہ و حدیث سے متعلق اپنی کتابوں میں بڑی جرأت مندانہ بحثیں ہیں، جو ان کی کج فکری اور حقد میں کی کتابوں پر کو تاہ نظری کا منہ پڑتا ثبوت ہے۔ ساتھ ہی ساتھ احوال رجال اور تاریخ علوم سے نا آشنا کی کا پیہ بھی دیتی ہیں، اس کو تاہ دینی اور علمی عروہ کے باوجود خیالات کی وادی میں ایسا بے لگام بہنکتے رہے جس سے ان کے قدم ڈگلا گئے۔

ان کی کتابوں کے اپنے جلوے ہیں اور ان کے فو تاہ بھی اپنی جگہ مسلم ہیں، اس کے باوجود کچھ ان کے تقدرات ہیں جن کی متابعت درست نہیں کیوں کہ اس میں فکری اضطراب پایا جاتا ہے، جس سے انسان موضوع کی تحقیق میں حق پر قائم نہیں رہ سکتا اور یہ تابع و متبع و دونوں ہی کے لیے خطرہ ہے۔ بہت سارے مقامات پر آپ ان کی ایسی مریوطہ باتیں دیکھیں گے جس کا کچھ فائدہ ہی نہیں، لہذا میں یہاں ان کے بعض فکری اضطرابات کو ان لوگوں کے لیے اجا کر کرتا ہوں جنہوں نے ان کی زندگی کا مطالعہ نہیں کیا تا کہ وہ ہوشیار رہیں۔ ان کی تمام باتوں کا تفصیلی جائزے کے لیے خاص فارغ اوقات کی ضرورت ہے۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ ہندوستان میں علم حدیث کی خدمت میں ان کا اہم کردار ہے مگر اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ حق سے جہاں انہوں نے تہادو کیا ہے ہم اس سے سکوت اختیار کر لیں، لہذا میں عرض کرتا ہوں کہ ان کی نشرو ناخنی ماحول اور فنی اعتقاد میں ہوئی اور دوسری طرف عارف باللہ شیخ احمد بن عبد اللہ احمر ہندی جو توحید شہودی (۱۲۶۱) کا قول کرنے میں امام ربانی سے معروف ہیں، کے روحانی نفوذ سے بہرہ ور ہوئے۔ اپنے ملک کے مطابق

حدیث اور فلسفے میں مہارت حاصل کی، اس کے بعد حجاز کا سفر کیا جہاں انہوں نے اصول مذہبیہ منورہ میں شیخ ابو طہار بن ابراہیم کورانی شافعی سے حاصل کیے ☆ اور ان کی صحبت بھی اختیار کی، ان کے والد کی کتابیں جن میں انہوں نے حشویہ، اتحادیہ، غلا سزا اور مشکمین کے متضادم نظریات کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے کا مطالعہ کرتے رہے، جس کا ان کی فکر پر گہرا اثر پڑا اور فقہ اور تصوف میں انہیں کے مذہب کی طرف مائل ہو گئے۔ ہندوستان جب واپس ہوئے تو تصوف، اور فقہ میں اپنے اہل خانہ اور اپنے خاندان کے مذہب کو ایک طرف رکھ کر واپس ہوئے، ساتھ ساتھ توحید و جدوی (۱۲۷۷) سے بھی متاثر ہو گئے اور زبان حال سے یہ کہہ رہے تھے:

عقدہ الخلاسل فی الالہ عقائدنا
وانا اعتقدت جمیع ما اعتقدوہ
(ترجمہ: اللہ کے بارے میں لوگوں نے مختلف عقائد رکھے ہیں، اور میں بیک وقت ان تمام عقائد کا ماننے والا ہوں)

یہیں سے اتحاد پارہ پارہ ہوا جب انہوں نے اپنے فقہی نظریات کی طرف دعوت دینا شروع کی، حشویہ، غلا سزا اور وحدۃ الوجود کے قائلین کے اقوال میں تطبیق کی کوشش کرنے لگے اور صورتوں میں اللہ کی تجلی اور مظاہر میں اس کے ظہور کی تصویریں بکھ کر کرنے لگے کہ یہی کار کا عقیدہ ہے۔ جب کہ یہ نظریات قول یا فصول کے قبیل سے ہیں جن کو اہل و دانش نے یکسر مسترد کر دیا ہے اور اس طرح کے اقوال کی ماضی میں آپ کو بہت ساری مثالیں مل چکی ہیں۔

ان کے پوتے (شاہ اسماعیل دہلوی) کی کارگزاریوں نے مسئلے کو اور بھی الجھا دیا، ملت کا شیرازہ منتشر ہو گیا، غیر مقلد، حشویہ اور خود حنیف میں مختلف گروہ ہو گئے، زمانے کے ساتھ ساتھ اس ملک میں غیر مقلدیت کو فروغ ملنے لگا۔ اگرچہ راہِ حقست (شاہ ولی اللہ) بعد میں ایک مانی بشارت کی وجہ سے اپنے قدیم مذہب کی طرف لوٹ آئے اس بشارت کا ذکر انہوں نے نفوس فی الحرمین اور تہذیبات الہیہ میں کیا ہے۔ تفصیل کے لیے فیض الہامی کا مقدمہ (ص ۲۳) دیکھیے۔

شاہ ولی اللہ اصول ستہ کی احادیث کے متون کا تو خوب اہتمام کرتے تھے مگر اسناد کی طرف بالکل نظر نہیں کرتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر متون پر ہی اقتصاد کیا جائے تو (اصول ستہ) کی

(۱) یہ کتاب ۱۹۹۸ء میں داکنول میمری تحقیق کے ساتھ کتب خانہ فیضیہ سے شائع ہو چکی ہے۔

حدیثوں کے لیے ایک جلد ہی کافی ہوگی مگر اہل علم اسانید میں غور و فکر کا خاص اہتمام کرتے ہیں حتیٰ کہ فرقی مسائل کے احتجاج سے متعلق سنن تو اپنی جگہ صحیحین کی سند میں بھی غور و تدقیق سے کام لیتے ہیں، لہذا اعتقاد سے متعلق کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ احادیث کی سندوں میں غور و فکر ترک کر دیا جائے۔ ان کا کتب ستہ کی اسناد میں غور و فکر کیے بغیر صرف متون پر اتکاف کرنا مذہب فقہاء اور سامانہ ائمہ میں جبری حکم لگنے اور جرأت کا مظاہرہ کرنے کے مترادف ہے، جو محض خیالی باتیں ہیں تاریخ علوم اور اہل شان محققین کے نزدیک ان کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔

شاہ ولی اللہ دہلوی کے عجیب و غریب نظریات میں سے ایک یہ ہے کہ مجزوء حق اقرار دراصل نظر بند کی معاملہ تھا، حالاں کہ نظر بندی رسولان عظام میں سے کسی کی بھی شان نہیں۔

مشکلات الآحاد و دہلوی صاحب نے ان وجوہ پر محمول کیا ہے جس کا تعلق عالم مثال سے ہے، بعض مضمون کے مطابق معانی کا اس میں ملول ہوتا ہے، یہ نظریہ انہوں نے افلاطون کے مثالی عالم (۱۲۸) کے نظریے سے اخذ کیا ہے، جن کے مطابق یہ پورا عالم خیالی ہے اس کا وجود نہ تو شرع میں ثابت ہے اور نہ ہی عقل میں۔ نتیجتاً مشکلات کے صل کا دار و مدار اس عالم پر مکرنا ایسا ہی ہوگا جیسا کہ اس کا صل کسی خیالی چیز پر رکھا جائے بلکہ اثر پیدا کرنے والے معانی کی نفی بھی اس لیے ہو جائے گی کہ اس کا دار و مدار مجہول عالم مثال پر ہے۔ حالانکہ یہ بات واضح ہے کہ کسی چیز کو اس کے علاوہ کھتا جیسا کہ صدر الاول کے مخالفین نے سمجھا مگر اسی کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ لہذا اگر مشکلات کو صل کرنا چاہیں تو احادیث کی اسناد، درجہ اہل کے احوال اور ائمہ کرام کی معیت پر وجہات کا سہارا لینا پڑے گا۔

ان کا ماننا ہے کہ جنہوں نے شفاف چشمے سے سیرابی حاصل کی ہے ان کی روایتیں مشکوک ہیں جب کہ متاخرین اور بعد میں آنے والے جنہوں نے گدلے چشمے سے سیرابی حاصل کی ان کی روایتیں شفاف ہیں۔

انہوں نے اصول مذہب پر بھی تنقید کی اور یہ کہا کہ یہ متاخرین کی کارستانیوں ہیں اور انہوں نے خبر واحد کے ذریعے نہیں پر زیادتی کو کبھی اسی قبیل سے قرار دیا، اور ساتھ ہی ساتھ اس مسئلے

میں شافعی کا محمد بن حسن کے ساتھ مناظرہ بھی درج کیا ہے جو خود ان کے خلاف ہے اور اس دعوے کے خلاف ہے جو خود انہوں نے چند سطور پہلے کیا ہے۔ اس سے ان کے علمی افتخار کا پتہ چلتا ہے، ان کی کوتاہ بصیرت واضح ہوتی ہے اور حنفیہ میں کی کتابوں (جن میں اصول مذہب کے مسائل پھیلے ہوئے ہیں اور جو ہم تک ہمارے حنفیہ میں ائمہ کے حوالے سے پہنچے ہیں) میں عدم دسترس کا پتہ چلتا ہے۔ کہاں شاہ ولی اللہ اور کہاں عینی ابن آبان کی کتاب الحجج الکبیر یا الحجج الصغیر؟ یوں ہی فصول ابن بکر الرازی فی الاصول اور اتھانی کی الشامل کی ان کو ہوا بھی نہیں لگی ہوگی، اسی طرح ظاہر السرواجہ کی شرحیں کہاں ان کے مطالعے میں آئی ہوں گی؟ جن میں اصول مذہب کے بے شمار مسئلے ہیں جو ہمارے ائمہ کرام سے منقول ہیں۔ لہذا اس طرح کی شخصیتوں پر ان موضوعات کے سلسلے میں اعتنا نہیں کیا جاسکتا۔

محقق کشمیری نے فیض الباری کے باب بدائع الخلق میں ان کے کسی رسالے کے حوالے سے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ انہوں نے قدم عالم (۱۲۹) کا قول کیا ہے جو سب سے بڑی مصیبت ہے، اور پھر اس سے کہیں زیادہ وجہ کی بات اس مسئلے پر ترمذی میں موجود حدیث ابن رزین (۱۳۰) سے استدلال ہے اور اس سلسلے میں انہوں نے راوی کی تاویل کو بھی مسترد کر دیا ہے جب کہ اس کی سند میں حواہ بن سلمہ اور کعب بن حداد ہیں، حواہ غلط ہیں اور ان کی کتابوں میں ان کے دونوں سونپے بیڑوں نے تفسیر سے متعلق جو کچھ بھی باطل چیزیں چاں ڈال دیں۔ یوں ہی بخاری نے مطلقاً ان سے انتساب کیا ہے اور مسلم نے ان سے ثابت کی روایت کے علاوہ کوئی اور روایت تخریج نہیں کی، جب کہ اس کے شیخ عینی بن عطا بھی اس درجے کے قوی نہیں ہیں، جہاں تک کعب بن حداد یا حداد (اختلاف روایت کی بنیاد پر) کا مسئلہ ہے تو ان کی صفت مجہول ہے، ان بیسویں کی روایت تو عورتوں کے حیض سے متعلق بھی قابل احتجاج نہیں ہو سکتی تو یہ روایت کیسے ثابت ہو جائے گی، جس میں اللہ تعالیٰ کے لیے مکان ثابت کیا گیا ہے یا قدم عالم کا نظریہ ثابت کیا گیا ہے جو کتاب اللہ کے سراسر منافی ہے۔

جس کا حال علم حدیث میں یہ ہو تو اولہ احکام سے متعلق کیسے اس کو عالم سمجھا جاسکتا ہے؟
تاہم بعد میں جب انہیں مدینہ منورہ سے بشارت ملی جو انہوں نے خواب میں دیکھا تھا تو وہ اس
اضطراب سے نکل کر آخرت کی سروسامانی میں لگ گئے تھے۔ چنانچہ فیوض الحرمین میں رقم
طراز میں کہ ”نبی اکرم ﷺ نے ہمیں بتایا کہ مذہب نخی کا طریقہ بالکل ساف و ستر ہے اور سنت
کے سب سے زیادہ موافق ہے“ اس عبارت کے بعد ان حضرات کی ساری امیدوں پر پانی پھر گیا
جوا انصاف، عقد الحید، اور حجة اللہ البالغہ وغیرہ کے بل بوتے پر مذہب کوڑھانے کی
کوشش کر رہے تھے۔ یہ ایک سرسری اشارہ ہے جو ان کے شیطیات کو ظاہر کرنے کے لیے کافی
ہے۔ امید کہ اللہ تعالیٰ اس کثیر الجواب بحث کی تمام آرا کا جائزہ لینے کے لیے فرصت کے
دوسرے اوقات مہیا فرمائے اور اللہ کے لیے کچھ دعا کریں۔

یہ رسالہ اللہ کے فضل و کرم سے قاہرہ (اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرمائے) میں بروز جمعرات
۲۳ محرم الحرام ۱۳۶۸ھ کو مکمل ہوا۔ اللہ تعالیٰ مجھ فقیر محمد زاہد اکوٹری کو جو کہ دارالاسلامیہ (اعلیٰ)
میں علمی خدمات کا فریضہ انجام دے چکا ہے کی مغفرت فرمائے اور میرے والدین، میرے مشائخ
میرے اساتذہ کرام، میرے رشتہ دار اور تمام مسلمانوں کی مغفرت فرمائے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد والہ وصحبہ اجمعین و اخر دعوانا ان
الحمد للہ رب العلمین۔

مشغلہ:

امام و خطیب:

ڈائریکٹر:

بانی رکن:

بانی:

مؤلف ایک نظر میں

نام:

جائے پیدائش:

والد:

تعلیم:

منظر الاسلام

دارالمنہج، سرگاہ، ضلع ارریہ (بہار)

سید توحید عالم

(۱) حفظ قرآن کریم، دارالعلوم عمادیہ، پٹنہ

(۲) فاضل درس نظامی، جامعہ عربیہ اسلامیہ، بنارس

(۳) تخصص فی الدعوة والادب، جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء، دہلی

(۴) الاجازات العالیہ، شعبہ حدیث وعلوم الحدیث، جامعہ الازہر شریف، مصر

(۵) تخصص فی الاقامہ، (مذہب اربیعہ) دارالافتاء المصریہ، قاہرہ، مصر

(۶) عالیت (ثانویہ) معہد البحوث الاسلامیہ، جامعہ الازہر شریف

(۷) کورس سرق اسکالرڈ یوگ یونیورسٹی، امریکہ

تعلیف، تلخیص و تحقیق، دوروس، موعظہ، لکھنؤ (بزبان انگلش، عربی، اردو)

کیری اسلامک ایسوسی ایشن، نارتھ کیرولینا، امریکہ

فقیہی کونسل آف انٹرنیشنل اسلامک اسٹڈیز اینڈ ریسرچ ایسوسی ایشن،

سאותھ کیرولینا، امریکہ

دی نیو انج میڈیا اینڈ ریسرچ سینٹر، دہلی، انڈیا

المدینہ انجیئرنگ کیشنل بورڈ، پوربہ، بہار

الفاضل و بطریق فرسٹ، ارریہ، بہار

عالمی کانفرنس میں شرکت: سر روزہ عالمی صوفی کانفرنس، مراکش ۲۰۰۹ء

امریکی سینٹارڈ میں شرکت: ڈیوک یونیورسٹی ۲۰۱۰ء

ویک فورسٹ یونیورسٹی ۲۰۰۷ء

ویک فورسٹ یونیورسٹی ۲۰۰۶ء

قلمی خدمات:

اردو انگلش، عربی میں پچاس سے زائد مقالات و مضامین ہندو پاک

اور امریکہ کے جریدہ و رسائل میں شائع ہو چکے ہیں۔

تصنیف و تالیف:

اثر ابن عباس

قرآن کریم کی تفسیر میں غیر اسلامی افکار کی دراندازیاں (ذریعہ طبع)

امام زہری اور مستشرقین (ذریعہ طبع)

علم جرح و تعدیل (ذریعہ طبع)

سیرت رسول (ذریعہ طبع)

اردو سے عربی ترجمہ تحقیق:

الغادیانیہ

(از: مولانا احمد رضا خان محدث بریلوی)

محمد ﷺ خاتم النبیین

(از: مولانا احمد رضا خان محدث بریلوی)

الہدای الکافی فی حکم الضعاف

(از: مولانا احمد رضا خان محدث بریلوی)

العقیدہ فی الاسلام

(از: مولانا احمد رضا خان محدث بریلوی)

اوقات الصلوٰۃ فی ضوء الاحادیث النبویہ

(از: مولانا احمد رضا خان محدث بریلوی)

AF-1435

طاسد لہو کوڑی کی حقیقت کا بڑا حصہ جس کتابوں اور قلم نشوونوں پر مشتمل ہے۔ قنود سے لے
 کوڑی کے طاغوت جن کے لیے وسائل بھی فراہم کر دیے تھے وہ ایک زمانے تک ہمارے لیے چار
 سوال تک عالم اسلام کی سربراہی کرنے والے ملک ترکی میں رہتے تھے۔ ان کے قدم کتب خانے
 ان کی دلچسپی کا مرکز تھے۔ اس کتاب میں مصنف کا طرز فکر، طرز رسوخ نگاری سے باہر
 مختلف ہے، جامع سوانح کی طرح محض نام و نسب، تاریخ پیدا ہوا، بجائے پیدا ہوا، تاریخ وفات، جیسی
 تصدیق سے بیان کرنے پر ہی انہوں نے اکتفا نہیں کیا بلکہ اگر تاریخ پیدا ہوا، بیان کی ہے تو مختلف
 احوال میں تخلیق و تحقیق اور رسوخ تاریخ بیان کرنے کا حق ادا کر دیا۔ تصانیف اور پوسٹ پر بات کی تو
 حقیقت کی اجتناب کر دی، علمی مقام اور مصارف احوال بیان کیے تو یہ اگلا ہے۔ یہ حرف آخر ہے سلام
 اور مصنف کی اجتراری نشان کا ذکر کیا تو ایسا ایسا اصول اور فراموشی مہارت ذکر کیے کہ انصاف پسند
 قاری ان کی رائے سے متعلق ہونے کا نہیں روکتا۔



دار النعمات

لکھنؤ دار النعمات القرآن

Near Maktaba Qadria University Road, old Sabzi Mandi, Karachi.

Contact No.: (92) 345 7760640.

طوبی ریسرچ لائبریری

اسلامی اردو، انگلش کتب،

تاریخی، سفرنامے، لغات،

اردو ادب، آپ بیتی، نقد و تجزیہ

toobaa-elibrary.blogspot.com